ازالۃ القید

مصنفہ

سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن

محبوبات

حصہ دوئم

ازالۃ القید

عطیہ منجانب
شریف احمد باجوہ مرحوم
مرسلہ طلعت علی امریکہ

سیدہ حفیظۃ الرحمٰن

ازالۃ القیْد

عطیہ منجانب
شریف احمد باجوہ مرحوم
موسلہ طلعت علی امریکہ

سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؛ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

انتساب

اس سوز بھری داستان کو اُن تمام بیویوں کے نام منسوب کرتی ہوں جنہیں ان دُکھ کی راہوں پر چلنا پڑا - پاؤں میں چُبھے کانٹوں کو جانتے ہوئے بھی کوئی نہ نکال سکا - یہاں تک کہ دروازہ پر ہر دستک ان کے لئے بے معنی ہوگئی -

اپنے قارئین سے مَیں درخواست گذار ہوں کہ اُن کے لئے دُعا گو ہوں کہ خُدا اور اُس کے رسُولؐ پاک کی قربت اُن بیویوں کا مقدّر ہو جائے اور دین و دنیا کی خوشیاں ان کا دامن تھام لیں اور روزِ حشر وہ منعم علیہم گروہ کی حقیقی علمبردار ہوں - آمین یارب العٰلمین -

والسّلام

حفیظۃ الرحمٰن

عرضِ حال

مَیں آج ایک ایسی جگہ پر کھڑی ہوں کہ جہاں حرف بھی اپنی قیمت کھو بیٹھا ہے - حالانکہ حرف تو ہمارا اثاثہ ہے - ہماری پہچان ہے مگر آج حروف سے جوڑ جوڑ کر بنے ہُوئے الفاظ بھی معنے نہیں دے رہے - دونوں تینوں کو جوڑتی ہوں - لفظ بناتی ہوں مگر ہر لفظ بے معنی ہوتا ہے - ہُوا کیا ہے ؟

کیوں ہر جملہ آج اپنی قیمت کھو بیٹھا ہے ؟ اے خُدا ! تو مجھے سمجھ دے ہوش دے اور حوصلہ دے - بدحواسی سے بچا - میرے لفظوں میں معنی پیدا کر اور تاثیر دے - آمین -

شاید

آج مَیں تھک گئی ہوں یا ماحول سے اتنی دل شکستہ ہوگئی ہوں کہ قلم بھی ساتھ چھوڑنے کا ارادہ کر رہا ہے مگر اے قلم ! تجھے تو یاد ہے کہ تُو مجھے وحی کے روزِ اوّل سے ہی ملا تھا - اس لئے تیرا میرا تو ابدی رشتہ ہے تو مجھے مت چھوڑ اور میری اعانت کے لئے قدم آگے سے آگے بڑھا - اتنا آگے کہ حضرت مسیح موعود بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیّہ کے سایہ کو کھینچ کر لمبا کرتے کرتے کئی اور صدیاں آگے میری نسلوں تک ممتد کر دے - آمین

یہاں تک کہ جب مَیں اپنے صحنِ گلشن میں مڑ کر دیکھوں تو ہر درخت احمدیت

کے شیریں ثمرات سے لدا ہوا اور جھکا ہوا نظر آئے۔ مَیں وقت رخصت الحمد للہ
پڑھوں اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتی ہوئی گزر جاؤں۔ آمین

ہاں

یہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ نا اُمیدی اور مایوسی کے بادل مجھ پر سایہ فگن نہیں ہیں اور مَیں پُرامید ہُوں کہ خدا تعالیٰ میرے پیاروں کے خون سے سینچے ہُوئے چمن کی ہر شاخ۔ گل اور پتّے کو وجۂ تخلیق کائنات کے نقش پر چلنے کی توفیق عطا کرے گا۔ انشاء اللہ

دُعاؤں کے ساتھ مَیں معذرت خواہ ہوں کہ کچھ کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے۔

کیوں؟

اس لئے کہ کوڑے مَیں نے بے شک نہیں کھائے۔ مگر میری کمر کے زخم اتنے گہرے اور گھناؤنے ہیں کہ مَیں ہر دم، ہر ایک کے دُکھ سے زخمی ہو جاتی ہوں اور ہر دکھ کو اپنی جان پر محسوس کرتی ہوں۔ اور ہر آہ کو اپنے کان دیتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں سب سے زیادہ خشک اور ناخوشگوار مضمون آپ کے پاس لے کر آجاتی ہوں۔

ازالۃ القید ایک ابال ہے جو قلم کے ذریعے جوان نسل کو سُننا پڑا۔ مجھے افسوس ہے۔ آئندہ کوشش کروں گی کہ ہر حرف اپنا رشتہ جوڑتے وقت محبت کے بول پر ختم ہو۔

قارئین!! آپ بھی یہی دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ جہاں مجھے محبت کے حروف دے آپ کو بھی یعنی میرے بچوں کو وقت سے پہلے سوچنے کی توفیق عطا کرے۔

"کیونکہ مومن اور غیر مومن میں اتنا ہی فرق ہے کہ مومن کل سے پہلے سوچے گا اور غیر مومن بعد میں سوچتا ہے۔ گویا مومن

اور غیر مومن کے سوچنے میں چند ساعت اور چند گھنٹے اور چند دن کا فرق ہوتا ہے۔ مومن آنے والے وقت سے پہلے سوچتا ہے اور غیر مومن بعد میں کہتا ہے کہ اگر یوں ہوتا تو یوں ہوتا۔"

اے خداوند عالم تو میرے خادم کو غیر مومن ہونے سے بچا۔ اور حقیقی مومن بنا دے۔ آمین۔

کیونکہ سب مراحل کا یہی ایک واحد حل ہے۔ ....

"سچا مومن بن جانا۔" ؎

جو سچّے مومن بن جاتے ہیں موت بھی اُن سے ڈرتی ہے
تم سچّے مومن بن جاؤ اور خوف کو پاس نہ آنے دو

والسّلام

سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن

مقدمہ

موضوع کے اعتبار سے یہ خشک ترین مضمون میری صنف کے لائحہ عمل سے ہٹ کر ہے اور اسناد پیش کرنے کے لحاظ سے کارِ دارد بھی ہے ۔ کیونکہ ہر قول کو پیش کرنے کے لئے سند کا وجود از بس ضروری معلوم ہوا ہے ۔ کوئی جملہ میں خود کہنے کی مجاز نہیں کبھی کسی محرک کو قرآنِ مجید سے ثابت کرتی ہوں اور کبھی حدیث کے حوالہ سے اطمینان حاصل کرتی ہوں ۔ حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ میرے بزرگوں نے اور میرے پیاروں نے ہر شاہراہ پر مجھے قرآن و حدیث کی روشنی عطا کی ہے ۔ میں ہمیشہ ان کی روشنی میں چلی ہوں اور کہیں بھی بے یقینی کا عالم پیدا نہیں ہوا ۔ کیونکہ بے یقینی کا ایک لمحہ سینکڑوں دن کی دوری پر جا پھینکتا ہے ۔ تاہم میں نے کوشش کی ہے کہ اپنے جوان ذہنوں کو دلچسپ اور آسان لفظوں میں اُن آزاروں سے آگاہ کردوں جو بوڑھوں کے لئے بلائے جان ہو گئے ہیں ۔

میری ناچیز سوچ میں پہلے پہل حقِ طلاق بہت آزار لئے ہوئے تھا لیکن جب میں نے یہ مصدقہ خبر پڑھی کہ :-

"لاہور میں ۶۰۰ عورتیں مختصر وقت میں چولھے سے جل کر ختم ہو گئی ہیں"

یعنی ایک بڑی تعداد اُن میں سے اُن بیویوں کی ہے جن کے شوہر اُن سے

نجات پانا چاہتے تھے ۔ لیکن انہوں نے شرعی حق استعمال نہیں کیا اور ایک جرائم پسند قدم اُٹھا کر بیوی کو جلا دیا اور چولھے کو موردِ الزام ٹھہرا دیا اور اس طرح بیوی سے نجات پالی ۔ تو مجھے اِن حقائق کی بناء پر حقِ طلاق یعنی اسلام کی عطا کردہ عظیم اجازت پر اطمینان ہوا ۔ یہی نا کم از کم مرد جب بیوی سے نجات پانا چاہے گا تو ایندھن بنائے بغیر "دو بول طلاق" کے بول کر اُسے اپنی زندگی سے نکال سکے گا ۔ اُس کی زندگی تو نہیں چھینے گا ۔ کیونکہ عورت کی زندگی کی قیمت طلاق کے استعمال سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے ۔ ہے نا ؟

میں نے اس سعی میں یہ بتانا چاہا ہے کہ آج کا شوہر بغیر وزنی وجوہات کے وزنی قدم اُٹھا لیتا ہے ۔ کیوں ؟ مثلاً بیوی کے سانولے رنگ پر سیاہی اُس کا مقدر کر دیتا ہے ۔ اور مثلاً بیوی کے چھوٹے قد پر قد آور دیوار کھڑی کر دیتا ہے ۔ اور آخر کار اِس دیوار میں اُس کو چنوا کر معاشرے کے سپرد کر دیتا ہے ۔ کیسے ؟
اور اگر ایسا ہی کرنا ہے تو کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے ۔ کونسا ؟ اور معروف طریقِ کار کیا ہے ؟ اور کون راستوں پر چل کر وہ منزل تک پہنچے کہ سر اور تاج دونوں سلامت رہیں ۔ میں نے اس کے لئے آخری باب میں تمام نکات جمع کر دیئے ہیں ۔ تاکہ میرے لوگوں کو مختصر وقت میں چھوٹی سی بات میں بڑی سی آگہی حاصل ہو جائے ۔ آمین ۔

جہاں تک میری سوچ نے کام کیا ہے میں سمجھتی ہوں کہ مندرجہ ذیل یہ چند سقم کے زاویے ہیں جن پر یہ عمارت تعمیر ہوتی ہے اور بالآخر ریت کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئی ہے ۔

(۱) مختارانہ ذہنیت
(۲) کج دار مزاج
(۳) انتقام
(۴) رنج و غصّہ جنون کی حد تک ۔

(۵) ناشکری۔ احساسِ حاکمیت (۶) شرکِ خفی

(۷) فقدان۔ صبر و تحمل کا، قناعت کا، احساسِ ندامت کا، احترامِ نسوانی جذبات کا، خوفِ خدا کا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ ظاہر ہے کہ تمام کج روی کے انداز اور سقم۔ زادیئے صراطِ مستقیم کی طرف سے منہ پھیر لینے کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ مَیں نے کچھ علاج اور نسخے تجویز کردہ حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ اور آپ کے خلفاء کرام۔ اور خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ آپ کے سامنے حضور کے اپنے الفاظ میں ہی رکھ دیئے ہیں تاکہ آپ کو سمجھنے میں سہولت ہو اور مجھے آسانی رہے کیونکہ انہی اقوالِ زرّیں نے میری کتاب کو بھی زینت دی ہے اور میرا حوصلہ بھی بلند کیا ہے۔ آپ بھی گرہ میں باندھ لیں مگر اسی نشست میں۔ شکریہ ❊

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ❊ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ھُوَاللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ

ھُوَ النَّاصِرُ

باب اوّل

ازالۃ القید

سہیل عزیز! آج تم نے یہ کیا پوچھ لیا؟

مَیں نے تو یہ کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ کہ تم اتنا اہم۔ گہرا اور پیچیدہ سوال پوچھ کر میرے حوصلہ کو آزمائش میں ڈالو گے۔ بیٹا تم نے تو حد کر دی ایک عورت سے پوچھتے ہو کہ اس چہار حرفی لفظ کے کیا معنی ہیں جو مرد کی کوکھ سے جنم لیتا ہے اور کیا اثرات ہیں اُس آتش فشاں کے جو مرد کے وجود سے ہی وجود میں آتا ہے۔ جبکہ تم خود مرد ہو اور مرد کے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مَیں تو ایک عورت ہوں کہ جس پہ یہ آتش گرتی ہے۔ اور وہ اس کی گرمی سے ہی متأثر ہو کر تا حیات ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔ میرا حال تم کیا پوچھتے ہو۔ مَیں یہ لفظ سُن کر ہی سُن ہو جاتی ہوں۔ کیونکہ یہ لفظ اپنی ذات میں بہت گھناؤنا اور رنجیدہ ہے۔ فی زمانہ یہ ہر اُس چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے جسے زندگی سے دُور اور متروک کرنا مقصود ہو۔ اب خود ہی بتاؤ کہ یہ لفظ کتنا رنج و غم اپنے اندر رکھتا ہے اسلئے مَیں یہ لفظ کیسے کہوں اور کیسے لکھوں؟

پس یہ "لفظ" بہتوں کے اعصاب توڑ گیا۔ راتوں کی نیند لے گیا۔ اور اُن

کے صحن گلشن میں خزاں کے پتے بکھیر گیا۔ گلشن کا ہر پھول مرجھایا اور ٹوٹ گیا۔
ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اس لفظ کے استعمال سے کسی کی دُنیا پامال ہُوئی اور کسی کے راستے ہموار ہو گئے۔ خواہ وہ راستے بے راہ روی کے موڑ پر ہی جا نکلتے ہوں۔ یا محبّت، دولت و شہرت کے چوراہے پر جا ختم ہوں۔ بہر طور یہ لفظ کہنے والا فاتح اور سننے والا مفتوح ہوتا ہے۔ اور مفتوح کا مقدّر ہی ازلی اور ابدی خزاں رسیدہ ہے۔ خواہ چہار اطراف بہار کی آمد آمد ہو۔ ویسے عزیزم! خزاں ہو یا بہار اتنا ہی ضرور کہوں گی کہ یہ خزاں کا پیش خیمہ ہے۔ دکھوں کی وہ مالا ہے جو انسان دوسرے انسان کے لئے پرو دیتا ہے۔ اور نہ صرف پروتا ہے بلکہ اُس کے گلے میں بھی ڈال دیتا ہے۔ اسی لئے تو اسلام نے اسے اَبْغَضُ الْحَلَالِ قرار دیا ہے۔ یعنی تمام حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ مکروہ اور تکلیف دہ چیز کہا ہے۔ اس لئے مومن جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبّت اور تڑپ ہو وہ اس کے کس طرح قریب جا سکتا ہے۔ جبکہ وہ سمجھتا ہے کہ میرے خدا کو یہ سخت ناپسند ہے۔ وہ تو خُدا کا قرب تلاش کرتا پھرتا ہے اور ہر نیکی قربِ خداوندی کے لئے کرتا ہے تو پھر کِس طرح اور کیونکر وہ یہ حقِ ناپسندیدہ استعمال کرے گا۔ سوائے اس کے کہ کوئی چارہ باقی اس کے پاس نہ رہے۔ یقیناً ایسا کرنے سے پہلے وہ ہزار بار سوچے گا۔ کیونکہ خدا کی محبّت کو حاصل کرنے کے لئے مومن رحم و محبت، صبر و رضا اور احسان و استغناء کا عمل دوسرے کے لئے ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے خصوصًا عورت کے لئے وہ برداشت کے تمام پہلو استعمال کرتا ہے اور خود کو حلم و بُردباری کا ایک ڈھانچہ بنا کر زندگی کی گاڑی کھینچتا رہتا ہے۔ مگر یہ لاوہ پھٹنے نہیں دیتا۔ فجزاہُ اللہ تعالیٰ۔

عہد نکاح

سہیل! چونکہ تمہاری بحث کا موضوع طلاق ہے اسلئے

ضروری ہے کہ بنیادی باتوں کا ذکر کر لیا جائے جو دورانِ گفتگو آئیں گی۔ اور تم جانتے ہو کہ عمارت اپنی بنیاد کی پختگی ہی سے پرکھی اور پہچانی جاتی ہے۔ لہٰذا بنیاد یعنی عہدِ نکاح ہی وہ بنیادی اینٹ ہے جس پر یہ تمام عمارت استوار ہوتی ہے۔ اگر معروف نمونے اور رِفق و رحم سے زندگی گذرے تو عمارت پختہ قرار دی جائے گی۔ لیکن اگر ناموافقیّت اور درشتگی پیش آ جائے تو یہ عمارت مسمار ہو جائے گی اور بالآخر ازالۃ القید پر جا ختم ہوگی۔

پس یاد رہے کہ عہدِ نکاح جس کی غرض و غایت تحفظِ عفت اور تقویٰ شعاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِسے بہت اہمیّت دی ہے۔ اور اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ "اُس نے تمہاری جنس میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں تاکہ تم زندگی میں سکون مودّت اور رحمت پا سکو اور تمہارے آپس میں پیار اور مہر پیدا ہو۔ بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں"۔

(سورہ روم رکوع ۳)

یہاں لفظِ سکون پر اگر غور کیا جائے تو حقیقی معنوں میں۔ دنیا کے حوادث اور تلاطم میں سکون، امن، چین بیوی کی رفاقت سے ہی حاصل ہے۔ باہمی اخلاص اور پیار، مہر و محبت اور دلی آرام و سکون اگر نکاح کے بعد بھی میسّر نہ آئے تو اس میں دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک کا قصور ضرور ہے ورنہ خدا تعالیٰ نے عقد کو رحمت و برکت کا نشان بتلاتے ہُوئے سورہ نُور میں مسلمانوں کو حُکم دیا ہے کہ:-

"اپنے میں سے جو بیوائیں ہیں اور جو اپنے غلاموں یا لونڈیوں میں سے نیک ہوں، اُن کی شادیاں کر دیا کرو۔ اور اگر وہ غریب ہیں تو اللہ اپنے

فضل سے اُن کو غنی بنا دے گا۔ اور اللہ بہت وسعت رکھنے والا اور بہت جاننے والا ہے۔" (سورۃ النور : ۳۳)

نکاح کی افادیت اور اہمیت پر زور دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ یہاں تک فرماتا ہے کہ "اگر کوئی مسلمان شادی کی قدرت نہ رکھتا ہو یعنی کسی شریف مومن عورت کے اخراجات برداشت نہ کر سکتا ہو تو اُن مومن باندیوں سے ہی نکاح کرے جو اُن کے قبضہ میں ہیں۔"

اگر غور سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے غریب مسلمانوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ وسوسوں میں نہ پڑیں کہ بیوی کے اخراجات کہاں سے پُورے کریں گے جبکہ اپنی ذات کا خرچ ہی پُورا نہیں ہوتا۔ جس طرح پہلے زمانے میں افلاس کے خوف سے لوگ اولاد کو مار دیتے تھے۔ اسی طرح افلاس کے خوف سے بعض لوگ نکاح سے بھی باز رہتے ہوں گے تو خدا تعالیٰ نے نصیحت فرمائی ہے کہ اگر اپنے ہم پلہ شریف بی بی کا خرچ نہیں اٹھایا جا سکتا تو کم از کم شریف اور صالح ملازمہ سے ہی شادی کر لینی چاہیئے۔ تاکہ باہمی رفاقت میسّر آئے اور عین ممکن ہے کہ دوسرے کی تقدیر سے فارغ البالی بھی میسّر آ جائے۔ بہرحال شخصی مسرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح کو از حد اہمیّت دی ہے۔ اسی لئے تو حضور رحمۃٌ للعالمین نے فرمایا ہے:۔

تَزَوَّجُوْا النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ

(صحیح بخاری کتاب النکاح)

پس قرآن۔ حدیث و سنّت سب نے یک زبان ثابت کر دیا کہ نکاح بقاء نسل انسانی۔ تحفظِ عفتِ و حصول مودّت اور سکینت پر مبنی پُرامن عائلی زندگی کی ضمانت مہیا کرتا ہے اور عین ممکن ہے کہ مرد کی تقدیر میں اگر غربت ہے تو بیوی کی تقدیر میں خوشحالی ہونے کی بناء پر گھرانہ خوشحال ہو سکتا ہے۔ ایک کے ذریعہ دوسرے

کو فائدہ پہنچ سکتا ہے کیونکہ ایک کی بجائے گھر میں ۲ دو کام کرنے والے موجود ہوں گے۔ پھر اولاد کی وجہ سے کام میں دلچسپی، محنت، لگن اور ذمہ داری کی بناء پر جد و جہد کی عادت پڑ جائے گی۔ کیونکہ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ جب نکمے سے نکمے آدمی پر کبھی بار پڑتا ہے تو وہ ہاتھ پَیر ہلانے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اسلئے جو بے کاری سے غریب ہے۔ بیوی کے بوجھ سے مجبُور ہو گا کہ وہ کام کہیں سے پیدا کرے۔ خصوصاً اس لئے کہ اُس کی محبت اُس کو بعض بڑے بڑے کاموں پر آمادہ کرے گی جس کے لئے وہ پہلے کبھی آمادہ نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ جو کما کر نہیں لائے گا نان و نفقہ پورا نہیں کرے گا۔ وہ محتاج ہو جائے گا۔ اور محتاج کبھی شوہر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اُسے قوام کے لقب سے نوازا ہے اور اللہ تعالیٰ کتنی بڑی حکمتوں کا منبع ہے وہ بے وجہ کسی کو خطابات عطا نہیں کرتا۔ وہ کیسے عمدگی سے اپنے لفظوں کی عظمت ظاہر کرتا ہے۔ فرماتا ہے:۔

فَلْیُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ۔ (سورۃ طلاق ع۱)

یعنی اس کا مخاطب مرد ہے۔ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا بھی دیا ہے اُس کو عورت پر خرچ کرے۔ اور اپنی بیوی کا نان و نفقہ دے۔ گویا

(۱) قوام کے لفظ کا خطاب دے کر اقتصادی نظام کی ذمہ داری مرد کو سونپ دی اور گھر کی ضرورتوں کا خیال رکھنا اُس کا فرض قرار دے دیا۔

(۲) قوام ایسی چیز کو کہتے ہیں جو اصلاح احوال کرنے والی ہو۔ جو درست کرنے والی ہو۔ جو ٹیڑھے پن اور کجی کو صاف سیدھا کرنے والی ہو۔ چنانچہ قوام اصلاحِ معاشرہ کے لئے ذمّہ دار شخص کو کہا جائے گا۔ اور ذمہ دار شخص کے لئے لازمی ہے کہ وہ ساخت اور عادات دونوں لحاظ سے مضبوط ہو۔

(۳) قوام اسلئے بھی کہا گیا ہے کہ وہ گھر کو چلانے میں اپنا مال خرچ کرنے کے علاوہ جسمانی

لحاظ سے بھی کسی حد تک برتری رکھتا ہوگا۔ چنانچہ فرمایا "کہ ہم نے بعض کو بعض پہلوؤں سے دوسروں پر فضیلت بخشی ہے۔ اس پہلو سے جب ہم لفظ قوام دیکھتے ہیں تو قوام کے ایک معنے طاقتور کے بھی ہوں گے...... قویٰ کی مضبوطی کے لحاظ سے اور عورت کی نزاکت کے مقابلہ میں مرد قوام ہی کہلاتے ہیں"۔ المختصر قوام اور مؤثر مقام رکھتے ہوئے شوہر کا فرض ہے کہ اقتصادی نظام کی ذمہ داری کو کماحقہ نبھائے۔ اور اگر خدانخواستہ ذمہ داری نہ نبھائے تو اُسے اپنی عائلی زندگی میں کئی مقامات پر صدمہ اٹھانا پڑے گا۔ یعنی اگر قوام کہلاتے ہوئے بھی وہ بیوی کے نان ونفقہ کی بالکل استطاعت نہیں رکھتا تو بیوی کے مطالبہ پر میاں بیوی میں تفریق بھی کروائی جاسکتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک تنگ دست شخص جو اپنی بیوی کو خرچ دینے کی بالکل استطاعت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے بارے میں آپ نے فرمایا:-

"اُس کی بیوی کو حق علیحدگی حاصل ہے"۔

گویا مرد کے حقِ قوامیت ادا نہ کرنے کی بناء پر عورت حق علیحدگی اختیار کرسکتی ہے۔ پس واضح ہو کر یہی بات سامنے آتی ہے کہ مرد طاقتور و توانا ہونے کے باوجود قوام صرف اس وقت ہوگا جب وہ نان ونفقہ کا بوجھ اُٹھائیگا۔ کیونکہ معاشرہ کا یہ FACTOR کمانے والا حصّہ ہے۔ پس عورت کا نگران اور محافظ عورت کی صحت۔ نشوونما اور تربیت کا بھی خیال رکھے گا تبھی تو وہ محافظ کہلانے کا حقیقی مستحق ہوگا۔ چونکہ قوام کا فرض معاشرہ میں کمانا اور خرچ کرنا ہے۔ اسلئے یہ بے جا نہ ہوگا اگر خرچ کی راہوں کو متعین کرلیا جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث (خدا تعالیٰ آپ سے راضی ہو)

نے ایک نکاح کے موقع پر فرمایا تھا کہ:-

"خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم صرف خرچ کی اُن راہوں کو اختیار کرو جو ہم نے تمہیں بتائے ہیں۔ اور وہ ضروریاتِ زندگی ہیں۔ اور وہ خرچ ہیں جن کے نتیجے میں تمہاری اپنی صحتیں قائم رہیں۔ اور ان عورتوں کی صحتیں قائم رہیں۔ جن کا تمہارے ساتھ کوئی رشتہ اور تعلق ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ تمہاری زیرِ نگرانی ہوجاتی ہیں۔ اور اُن کی تربیت جسمانی اس رنگ میں ہو کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھا سکیں"۔

سہیل! شوہر اور بیوی کی ذمہ داریوں والا نقشہ پیش کرنے کے بعد اپنے مقصد کی طرف آتی ہوں۔ اور بات یہ ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کو تقویٰ شعار زندگی گزارنے کے لئے ایک شرعی بندھن میں باندھنے کا حکم دیا تاکہ پاکیزگی، معاشرتی سکینت اور نسل کی بقا قائم رہے۔ چنانچہ اس نسلی بقا اور پاکدامنی کو حاصل کرنے اور سنتِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کے لئے کچھ حقوق اور فرائض بھی ہیں۔ کیونکہ جتنا بڑا قدم ہوگا۔ اتنے بڑے اور اہم اُس کے نتائج ہوں گے اور اتنی ہی عظیم قربانی دینی پڑے گی۔

عظیم قربانی کیا ہے؟

یہی عظیم قربانی ہے کہ دو زندگیاں جن سے انسانی بقا کا تعلق ہے اپنے اپنے دائرہ عمل میں رہتے ہوئے اپنے فرائض کو پہچانیں۔ حقوق کے لئے جدوجہد کریں۔ خاوند اپنی ذمہ داری نبھائے اور بیوی خاوند کے حقوق کو باحسن طریق سرانجام دے۔ مگر ایک لمحہ ٹھہرو۔ بیشتر اسکے کہ ہم حقوق اور ذمہ داریوں کا ذکر کریں۔ کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ اس

قلعہ بندی میں داخل ہونے والی شرائط کا ذکر کرلیں۔

واضح ہو کہ یہاں لفظ شرائط سے مراد کوئی شرطِ نکاح نہیں ہے بلکہ صحت نکاح کے لئے شرائط ضرور ہیں۔ جن کا ذکر میں کرتی ہوں۔ کیونکہ نکاح محبت و پیار کا معاہدہ ہے اور اس کے لئے شرط کا ہونا رشتۂ محبت کی بے ادبی ہے۔ اس لئے شادی یا نکاح میں شرط کوئی جائز نہیں ہے۔ اس کا معاملہ خدا تعالیٰ نے تقویٰ پر رکھا ہے۔ "نکاح اعتبار پر مبنی ہوتا ہے۔ مرد عورت پر کلّی اعتبار کرتا ہے اور عورت مرد پر کلّی اعتبار کرتی ہے۔ ایک دوسرے کے اموال ایک دوسرے کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی عزّت ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کو آرام پہنچاتے ہیں اگر چاہیں تو ایک دوسرے کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ غرض دنیا کا صرف یہی ایک رشتہ ہے جو بے قانون کی حکومت کو چلا رہا ہے۔"۔۔۔۔۔۔

پس یہاں شرط کا تصوّر بھی بے کار ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں کوئی شرط نہیں ہوتی۔ نہ میاں کی طرف سے نہ بیوی کی طرف سے۔ نہ اوقات کی پابندی ہوتی ہے، نہ خدمات کی پابندی ہوتی ہے۔ اور اس طرح بے شرط طور پر یہ رشتہ محبت کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن اگر شرطوں سے اُسے مقید کرو تو یہی رشتہ عذاب بن جائے۔ غرض اس میں کوئی شرط نہیں ہوتی اور اس میں ایک دوسرے کو نقصان بھی پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس لئے شریعت نے تقویٰ پر زور دیا ہے۔ کیونکہ یہ تعلقات بغیر اعتماد اور دل کی درستی کے نہیں چل سکتے۔

تو اب چلیں اُن اوصاف و حقائق کا ذکر کرلیں جن کی روشنی میں نکاح کی اہلیّت اور صحت ثابت ہوسکتی ہے۔ مثلاً تمہیں علم ہے کہ فرائض وہی شخص ادا کرتا ہے اور کرے گا جو عاقل اور بالغ ہو۔ اسلئے اسلام نے پیمان و عہد کے لئے کچھ شرائط کی وضاحت بھی فرمادی ہے۔ یعنی عقل و بلوغت دو بنیادی اوصاف ہیں جو ایک مسلمان

میں ہونا ازبس ضروری ہیں۔ تاآنکہ وہ معاہدہ نکاح میں خود کو باندھنے سے پہلے کفالت کا اہل ثابت ہوسکے۔ اور حقِ قبولیت استعمال کرسکے۔ یعنی مرد و عورت کا فاترالعقل ہونا اور بالغ نہ ہونا اُسے نکاح کا اہل نہیں رہنے دے گا۔ کیونکہ جنون اور فتورِ عقل کی بناء پر وہ ذمہ داری ہوش مندی سے ادا نہیں کرسکے گا اور اس طرح اہلی زندگی خوشگوار نہیں رکھ سکے گا۔ اور اس کا نتیجہ ہمیشہ منفی میں سامنے آئے گا۔ اس لئے بالغ مرد اور عقل و دانش کا مالک ہونا قطعی واجب ہے تاکہ عورت کو مالی اور ذہنی تنگی میں مبتلا نہ کردے۔ ہاں یہ بھی یاد رہے کہ جہاں مرد کے لئے عقل اور بلوغت شرط ہے وہاں عورت کے لئے مذکورہ دو اوصاف کے علاوہ ایک ولی کا ہونا بھی لازم قرار پایا ہے یہی کہ

(۱) وہ اپنی عقل اور بلوغت کے باوجود اپنی مختار کل خود نہیں ہے جب تک کہ اپنے ولی کی رضامندی نہ حاصل کرے۔ لہٰذا عورت کو نکاح کی اہلیت ثابت کرنے کے لئے ہوش مندی + بلوغت + ولایت کا فارمولا درکار ہے۔

ولایت کے متعلق تو حدیثوں میں کئی بار کئی تاکیدیں درج ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اگر کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اُس کا نکاح باطل ہے۔" (ترمذی جلد اوّل صفحہ ۱۳)

(۲) اسی طرح حضرت علیؓ بھی اس کے بارے میں سختی سے منع فرماتے ہیں اور یہاں تک کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے والے کو کوڑے لگوایا کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک عورت نے اپنے جائز ولی کے بجائے کسی دوسرے شخص کو اپنا ولی بنا کر نکاح کرلیا۔ لیکن جب یہ خبر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچی تو آپؓ نے نکاح کو ناجائز قرار دیا اور ولی بننے والے اور

نکاح کرنے والے دونوں کو کوڑے لگوائے۔" (فقہ احمدیہ حنفیہ ص۴۲)

اب ایک اور بات یہ بھی سامنے آئی ہے کہ ہر شخص اُٹھ کر ولی نہیں بن سکتا تو واضح ہو کہ اسلام نے اِس بات پر زور دیا ہے کہ ولایت کا حق صرف اور صرف مرد کو حاصل ہے۔ خود ماں جو پیدا کرتی ہے۔ پرورش کرتی ہے۔ تعلیم و تربیت دیتی ہے اچھے بُرے کی تمیز سکھلاتی ہے۔ وہ بھی یہ حق نہیں رکھتی کہ اپنی بیٹی کی ولی بن سکے۔ اور ولایت اختیار کر کے اپنی بیٹی کو عہد زوجیت میں باندھ سکے۔

ایسا کیوں؟

یہ سوال فطری اور لازمی ہے مگر مَیں سمجھتی ہوں کہ اس کا جواب وہی بنیادی کونے کی اینٹ ہے۔ جو ہر جگہ نصب ہو جاتی ہے۔ یہی نا کہ عورت جذباتی ہے۔ عقل کی بات کرتی ہے مگر غیر یقینی انداز سے اور عقل کی بات کر لینے کے بعد بھی عموماً پاؤں مضبوط نہیں رکھتی۔ اور نظر ثانی کرتے وقت فیصلے بدلنے میں وہی تیزی دکھاتی ہے جو فیصلہ کرتے ہیں جذباتی تیزی دکھائی تھی۔ پس وہ ہمیشہ محبت، رحم، ہمدردی اور کم عقلی کا شکار ہو کر پھنس جاتی ہے۔ گویا اپنے کندھے پر بندوق رکھ کر خود چلاتی ہے اور خود ہی شکار ہو جاتی ہے۔ بیشک خداتعالیٰ نے اُسے پسلی سے پیدا کیا ہے۔ مگر بیچاری چار دیواری سے باہر بہت کچھ معلوم ہو جانے کے بعد بھی وہ معصوم اور لاعلم ہی رہتی ہے۔ کیونکہ اُس کا زاویۂ نظر محدود ہوتا ہے۔ کیونکہ تخلیقی طور پر خداتعالےٰ نے اُسے کمزور اور ناتواں کندھے عطا کئے ہیں۔ گو وہ کبھی بڑی بڑی عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اُٹھا لیتی ہے۔ لہٰذا زیادہ باریکیوں میں کیا جاؤں یہی بات ٹھیک ہے کہ عورت کو خداتعالیٰ نے ہر قدم پر ایک نہ ایک مردانہ ہاتھ کا محتاج ضرور رکھا ہے۔ وہ اپنی سوچ کے مطابق شادی کرنا بھی چاہے تو ولی کا عمل دخل ضروری ہے۔

ولی خواہ باپ ہو یا بھائی ...... سوتیلا بھائی ہو یا چچا تقریباً عصبات کو مدّنظر رکھا گیا ہے۔ ہاں ایک بات واضح کر دوں کہ کبھی کبھی بعض حالات میں امامِ وقت یا اُس کا کوئی نمائندہ بھی ولی ہو سکتا ہے۔

وہ کیسے؟

وہ اس طرح کہ کبھی کبھی بالغ عورت کنواری یا بیوہ یا مطلقہ شادی کرنا چاہتی ہے اور گھر کے لوگ اُس کی رائے میں متفق نہیں ہوتے۔ اور وہ ایسے حالات میں داخل ہو جاتی ہے کہ رشتہ صریحاً جائز اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ مگر اقربیت کی بنیاد رکھنے والے عزیز و بزرگ اُس سے ناراض ہوتے ہیں۔ یا وہ اپنا مسلک تبدیل کر لیتی ہے۔ اور اُس کے والد، بھائی اور چچا قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں اُس کے مسلک و عقائد کا امتیازی وجود حق رکھتا ہے کہ ولایت کا حق ادا کرے۔ مثلاً کیسی اعلیٰ وضاحت فرمائی ہے:۔

"فقہِ احمدیّہ کی رُو سے ولی کے مفہوم میں عمومیّت ہے۔ جدّی قریبی رشتہ دار بھی ولی ہے اور جماعتِ احمدیّہ کے امام کو بھی ولایت حاصل ہے پس اگر عورت کا کوئی قریبی جدّی رشتہ دار ولی نہ ہو۔ یا انصاف سے کام نہ لے اور اس حق کے استعمال میں لڑکی کا مفاد اُس کے مدّنظر نہ ہو اور لڑکی پر جبر کر رہا ہو۔ تو لڑکی یا اس کے وکیل مجاز کی درخواست پر امام جماعت خود یا اس غرض کے لئے اُن کا مقرر کردہ نمائندہ کسی اور مناسب آدمی کو ولی نکاح مقرر کر سکتا ہے۔ جو لڑکی کی رضامندی اور اُس کے مفاد کے مطابق یہ فریضہ سرانجام دے گا۔ اور اُس کی یہ کارروائی درست اور معتبر ہو گی۔" (فقہ احمدیّہ حنفیہ ص۴۳)

سہیل! میری تمام گفتگو سے تم یہ نتیجہ مت نکال لینا کہ مَیں عورت کی اُور زبوں حالی کے قِصّے تمہارے سامنے بیان کر رہی ہُوں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میرا یہ ایمان ہے کہ عورت پر دین نے جہاں بھی کچھ قیود لگائی ہیں۔ مثلاً وہ ولی کے بغیر شادی نہیں کر سکتی۔ وہ رات کی تاریکی میں تنہا باہر نہیں جا سکتی۔ وہ محرم کے بغیر سفر دور دراز ممالک تک نہیں کر سکتی۔ وہ مَردوں سے ہنس ہنس کر بول نہیں سکتی وہ غیر محرم کے ساتھ تنہا محفل جما نہیں سکتی وغیرہ وغیرہ۔ اُس کی خیر و بھلائی کو مدّ نظر رکھکر ایسا کیا ہے۔ وگرنہ عورت اپنی سطحی واقفیت کی بناء پر زندگی کے بھنور میں پھنس جاتی ہے۔ تاہم میرا ارادہ یہ ضرور ہے کہ تمہیں تصویر کا وہ بھیانک رُخ ضرور دکھاؤں جو عورت کو انجانے میں ہر رُخ پہ پیش آتا ہے۔ اور دُکھ تو یہ ہے کہ اس قیامت کا ہر رُخ دکھانے والا کوئی مرد ہوتا ہے اور تمہارا اپنا ہی بھائی بند ہوتا ہے بے شک اُس کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہو یا کسی دولت کا ہاتھ ہو اور کسی شہرت کا نظارہ ہو مگر سامنے تمہارا ایک بھائی ہوتا ضرور ہے۔

تو یہ بات سامنے آگئی کہ ولی حضرات اگر کسی بچی کی شادی کر دیں جو بالغ نہ ہو یعنی اپنی خوشنودی اور رضامندی کا استعمال کرتے ہُوئے نابالغ کا نکاح کر دیں تو بچی کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی عمرِ بلوغت کو پہنچ کر اُس نکاح کو رد کر دے۔ گویا صحت نکاح کے لئے ضروری ہے کہ

عورت

(۱) عقل و شعور سے مزین ہو۔

(۲) بالغ ہو۔

(۳) ولی کی رضامندی اُسے حاصل ہو۔ اور ولی اُس کا باپ، بھائی یا قریبی رشتہ دار یا امامِ وقت کا نمائندہ ہو۔ ہاں تو نکاح کے رد کرنے کا اختیار بھی جو عورت کو ملا

ہے اُس کا نفاذ بھی کسی قاضی صاحب کے ذریعہ ہی ہوگا۔ (ابوداؤد کتاب النکاح)

یہاں یہ یاد رہے کہ عورت کو دینِ اسلام نے یہ حق دے کر نظر انداز نہ اور اپاہج کہیں نہیں کیا۔ الحمدللہ، ثم الحمدللہ۔ تمہاری تسلّی کے لئے ایک حدیث درج کرتی ہُوں سُنیے!

"ایک کنواری لڑکی رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئی اور اُس نے عرض کی کہ یا رسُول اللہ! میرے باپ نے میرا نکاح کر دیا ہے اور وہ شخص مجھے پسند نہیں ہے"۔ اس پہ رسُولِ خدا سرورِ کائنات نے فرمایا کہ اُسے اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اُس نکاح کو نامنظور کر دے۔"

پھر ایک قضائی فیصلہ تمہارے اضافۂ علم کے لئے پیش کرتی ہوں۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی خُدا اُن سے راضی ہو۔ نے رجسٹر نمبر ۲ دار القضاء ربوہ میں کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"میرے نزدیک لڑکی کو شریعت نے رضا کا حق دیا ہے۔ جب وہ بالغ ہو اسی وقت اس کا حق اُس کو مل جائے گا۔ کوئی لڑکی بالغ ہو کر اُس حق کو جو خدا تعالیٰ نے اپنے رسُولؐ کی معرفت دیا ہے طلب کر سکتی ہے۔ اور کوئی انسانی فقہ اس حق کو اُس سے چھین نہیں سکتا۔ گو رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی کوئی روایات ثابت نہیں کہ نابالغ لڑکی کا نکاح ماں باپ نے کر دیا ہو۔ اور آپؐ نے لڑکی کی درخواست پر اُسے توڑ دیا۔ لیکن یہ بات ثابت ہے کہ بالغ لڑکی کا نکاح اُس کے باپ نے بلا اُسکی اجازت کر دیا اور آپؐ نے اُسے توڑ دیا۔ پس جب رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے لڑکی کی رضا کو ایسا ضروری سمجھا کہ اُس کی فریاد پر باپ

کسے کئے ہوئے نکاح کو توڑ دیا تو کوئی وجہ نہیں کہ اُس حق کو نکاح نابالغی کی وجہ سے باطل کر دیا جائے"۔

پس ثابت ہُوا کہ نہ تو محض ولی کی رضامندی سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اور نہ صرف عورت کی رضامندی سے معاملہ طے ہو سکتا ہے۔ بلکہ نتیجہ یہ نکلا کہ تمام امور طے کر لینے کے بعد بھی حتمی فیصلے کے لئے باپ یا بھائی کی رضامندی سے مستغنی نہیں۔ ان پہ لازم ہے کہ وہ ۲ دو عاقل بالغ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کا مرحلہ طے کریں۔ اور اگر کبھی دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور ۲ دو عورتوں کی گواہی بھی چلے گی۔ بہرصورت عورتوں کو نکاح کی ولایت کا اختیار نہیں۔

باب ۲ دوئم

دوطرفہ حقوق

جس معاہدہ یا شرعی بندھن کا ذکر پچھلے باب میں کر آئی ہُوں لازم ہے کہ اس معاہدہ کے حقوق و فرائض پر بھی کچھ روشنی ڈالتی جاؤں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کو تقویٰ شعار زندگی گزارنے کے لئے کسی شرعی بندھن میں باندھنے کا حکم دیا تاکہ پاکیزگی۔ امن پسندی۔ معاشرتی سکینت اور نسل کی بقا قائم رہے اور اسی طرح سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (آیت: ۲۲۹)

گو یہ فرائض دو طرفہ ہیں۔ مگر قرآن مجید نے ولھن کا لفظ پہلے لکھ کر پہلے نمبر پہ مرد کو فرائض کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور سب سے بڑا فرض جو مرد کو ادا کرنا ہے وہ ہے مہر۔

مہر

خواہ مہر کسی نوعیت کا ہو۔ بہرصورت اُسے ادا کرنا مرد کی اوّل ترین ذمہ داری ہے۔ اور اُس کے بعد اہل خانہ اور بیوی کی ضروریاتِ زندگی کو پُورا کرنا مرد کی ذمہ داری ہے۔ جنہیں پُورا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ بلکہ حدیث شریف میں تو یہاں تک آیا ہے کہ۔ اگر کوئی شخص بیوی کے نان ونفقہ کی بالکل استطاعت نہیں رکھتا تو بیوی کے مطالبہ پر میاں بیوی میں تفریق ہو سکتی ہے۔ اور اُس کی وضاحت کے لئے ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک تنگ دست شخص جو اپنی بیوی

کو خرچ دینے کی بالکل استطاعت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :۔

"اُس کی بیوی کو حقِ علیحدگی حاصل ہے"۔

(بخاری کتاب النفقات جلد ۶ صفحہ ۳۲۴)

پس اس سے یہ امر سامنے آیا۔ کہ مرد کے فرائض میں سے نان و نفقہ اور اخراجاتِ کلی عورت کو ادا کرنا بنیادی شرط ہے۔ معاہدہ نکاح میں مہر مؤجل اور مہر عند الطلب شرط ہے۔ مگر نکاح کے بعد دینا از حد ضروری ہے۔ کیونکہ اسکی عدمِ ادائیگی کی صورت میں عدم اعتماد پیدا ہوگا۔ جس کا نتیجہ منفی ہوگا اور نکاح کی عمارت گِر کر لمحوں میں ڈھیر ہو جائے گی۔ دوسرے خدا تعالیٰ نے مرد کو اسی آیت میں "قَوّامُوْنَ" کے خطاب سے نوازا ہی اس لئے ہے کہ وہ اپنی قوت بخشش و عطا کی بناء پر نگران ہیں۔ مگر ان کے چونکہ لفظی معنی دیکھ بھال اور رکھ رکھاؤ کرنے والے کے ہوتے ہیں اس لئے لازم آتا ہے کہ وہ روٹی کپڑا علاج و معالجہ اور ضروریاتِ زندگی کا راکھا ہو اور حقوقِ زوجیت احسن طریق سے ادا کرے۔

راکھا

چونکہ لفظ راکھا اپنے اندر ایک دنیا رکھتا ہے۔ ویسے تو راکھا خدا کی ذات والی صفات ہی ہے۔ اور وہی لافانی و لاثانی ذات ہے۔ جو ہر مرد و زن کو اپنی حفاظت میں رکھتی ہے۔ مگر عام فہم زبان میں راکھا اُس چرواہے کو بھی کہتے ہیں جو نگہداشت کرتا ہے۔ یعنی جو اپنے بچے، ساتھی، ماتحت یا منکوحہ کا نگہبان ہو جیسے ماں بچے کی راکھی ہے چونکہ نکاح کے معاہدہ میں بوقت قبول مرد اقرار کرتا ہے کہ اُسے یہ ذمہ داری منظور ہے کہ اس عورت کا ہاتھ پکڑ کر اپنی زندگی کی کشتی میں سوار کرائے۔ لہٰذا وہ نکاح کے

موقع پر یہ ذمہ داری عوام کے سامنے۔ عوام کی موجودگی میں اور نکاح خواں کے استفہام پر قبول کرتا ہے تو گویا اپنے نگہبان اور راکھا ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ یہ اقرار ہی تو اُسے مجبور کرتا ہے کہ اخراجات کا بوجھ اپنے کندھوں پہ اُٹھائے اور فرائض کی ادائیگی میں اپنے قوام ہونے کا مقام پیدا کرے جہاں بیوی کا ثانوی نمبر ہو۔ کیونکہ راکھا کے معنے میں ہی فرض کی شناخت ہو جاتی ہے۔

ہاں سہیل! ایک بات واضح ہو جائے تو بہتر ہے کہ نعوذ باللہ میں نے مرد کو افضلیت دینے میں پہلا نمبر اسلئے نہیں دیا کہ خدانخواستہ وہ رزاق ہے۔ رزاق تو صرف خُدا کی ذات ہے۔ وہی خالق و مالک ہے۔ کون کسی کو رزق و فضل دے سکتا ہے مگر خدا تعالیٰ ہی اپنے بندوں کو وسیلہ مقرر کرتا ہے۔ جو اُس کے پیاروں کو مالی منفعت دے کر ذہنی سکون عطا کرتے ہیں۔ اور کچھ وہ بھی ہیں جو محض نکاح کے بندھن میں اسلئے بندھ گئے کہ اپنی خواہشات کی دوڑ میں آگے نکل جائیں۔ حقوق کہاں کس جگہ۔ کس وقت اور کیسے پورے کرتے ہیں۔ یہ ان کا مطمع نظر نہیں وہ صرف دنیوی رسوم نکاح و شادی کے پابند تھے۔ سو انہوں نے یہ بول خطیب کے سامنے ایجاب و قبول کی رسم کے سپرد کیئے اور شوہر نام کا رتبہ حاصل کر کے فراغت پالی۔ باقی ذمہ داری جو نکاح نے ان پہ ڈالی ہے وہ اُن کی دردِ سر نہیں ہے۔ یا تو بیوی خود ذمہ داری لے یا اُس کے ماں باپ یا پھر اپنے ماں باپ اگر زندہ ہوں۔ یا سسرال ہی کیوں نہ اپنی بیٹی کا گھر ہنستا بستا دیکھنے کے لئے سب کچھ کر گزریں اور یہ تمام تر بوجھ اُٹھالیں

مگر

یاد رہے ایسے گھر ریت کے گھروندے ہوتے ہیں۔ جس وقت بھی جب بھی اور جہاں بھی کوئی دراڑ یا ڈھیل آئی گھروندہ ریت کے تودے میں تبدیل ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اس لئے لازم ہے کہ

تنہا نہ چلیے

گھریلو اور ازدواجی زندگی میں خوشگوار فضا پیدا کرنے کے لئے یہ بھی ایک فرض ہے کہ مرد فہم وتفہیم کے میدان میں تنہا نہ چلے اپنی بیوی کو اپنے تمام ذاتی گھریلو قسم کے کاموں میں ساتھی بنائے۔ اُس کو دخل دینے کی اجازت دے کیونکہ مشورہ کا حق ہر ذی شعور کو خدا تعالیٰ نے دے رکھا ہے۔ اور مشورہ ہر میدان عمل میں کامیابی کی ضمانت بھی ہے اسلئے اس سے بہت سکینت حاصل ہوگی۔ کیونکہ باہم مشورہ سے دونوں کسی ایک نقطہ پر پہنچ جائیں جو یقیناً اچھے نتائج پیدا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دوجہانوں کے بادشاہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا کہ "شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" یعنی تو اُن سے مشورہ لے لیا کر۔ لیکن ضروری نہیں کہ مشورہ لینے والا مشورہ دینے والے کی ہر بات ماننے پر مجبور ہو۔

پس مشورہ لینا اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے کیونکہ :۔

(۱) جن سے مشورہ لیا جائے اُن کے تجربہ اور عقل میں زیادتی ہوتی ہے۔

(۲) اُن میں احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے۔

(۳) باہم اعتماد اور باہم خیالات میں گہری واقفیت اور ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال اور دیگر مسائل میں اتفاق رائے ایک کامیابی کا راستہ ہے۔ پس باہم مشورہ ایک نعمت ہے جو گھروں کی بنیادیں مضبوط کرتا ہے۔

(۴) خاوند کو خدا تعالیٰ نے ایک ایسی ذمہ داری سونپی ہے کہ نہ صرف زندگی میں وہ اپنے فرائض ادا کرے گا بلکہ وفات کے بعد بھی اُسے حکم دیا ہے کہ حسب حصہ شرعی عورت کو ترکہ میں حقدار بنائے اور سب سے بڑی بات یہ کہ عورت کی جائیداد کے حصہ کے علاوہ سال بھر کے نان ونفقہ اور رہائش کا انتظام ضروری قرار دیا

ہے اور اس طرح یہ رعایت دے کر اسلام نے ان پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

"یعنی تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں اور اپنی بیویوں کے حق میں ایک سال تک پہچانے یعنی ان کو گھروں سے نہ نکالنے کی وصیت کر جائیں لیکن اگر وہ خود بخود چلی جائے تو وہ اپنے متعلق جو پسندیدہ بات کریں اس کا تمہیں کوئی گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے"

(سورۃ بقرہ آیت : ۲۴۱)

مندرجہ بالا حکم خداوندی سے تم اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہو کہ خدا تعالیٰ نے یہ حق ایسا دیا ہے کہ خاوند کی وفات کے بعد بھی اُسے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ خاوند بیوی کے حقوق کی حفاظت کرتے ہوئے مرنے سے پہلے یہ وصیت کر دے۔ یہاں اگر میں وصیت کی تشریح کر دوں تو غالباً یہ طوالت تم پر گراں نہیں گزرے گی۔ کیونکہ عموماً تفصیل وتکرار بات کو ذہن نشین کرنے کے لئے بہت سے راستے ہموار کرتا اور مددگار ہوتا ہے۔ اور میری کوشش یہی ہے کہ خاوند کے ذمہ جو حقوق زندگی میں یا بعد از زندگی خدا تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں وہ یا تشریح سامنے آ جائیں تو عورتوں کی دینی معلومات میں اضافے کا موجب ہوگا۔ چنانچہ حکم یہ ہے کہ :۔

"اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ بعد میں وہ لوگ جن کے ہاتھ میں وصیت کا اجراء ہے انہیں ایک سال تک فائدہ پہنچائیں ...... اور فائدہ پہنچانے سے یہ مراد ہے کہ گھروں سے نہ نکالیں بلکہ باوجود اس کے کہ مکان کسی اور وارث کے حصہ میں آیا ہے بیویوں

کو ایک سال تک اُس میں رہنے کا حق حاصل ہے۔ اس کا یہ مطلب
نہیں کہ عورت یعنی بیوہ خود بھی مکان سے نہیں جا سکتی بلکہ بیوہ
عدّت کے بعد اپنی مرضی سے اپنے فائدہ کے لئے جہاں جانا چاہے
جا سکتی ہے۔ سال بھر کی شرط صرف عورت کے فائدہ اور آرام کے
لئے لگائی گئی ہے۔ اور اِس سے وارثوں کو بھی پابند کر دیا ہے۔ پس
عورت پر پابندی صرف ایامِ عدّت تک گھر میں رہنے کی ہے بعد
میں اس حکم سے (اس احسان سے) فائدہ اُٹھانا اس کے اپنے
اختیار میں ہے۔"

(تفسیر کبیر صفحہ ۵۳۹ ۔ تفسیر سورۃ البقرہ)

۵۱) زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے یہ بھی ایک طریق ہے کہ بیوی کو قدرے آزادی
دے کہ وہ اُس کی ذاتی زندگی میں دخل دے۔ تاکہ وہ جب باہر جائے تو بیوی
ناحق پریشان نہ ہو۔ کہ دیر سے کیوں آتے ہیں؟ اگر وہ سوال کرتی ہے تو یہ واجب
نہیں کیونکہ اس سے غیر اعتمادی کی فضا پیدا ہو جائے گی۔ اور اگر خاموش رہتی ہے
تو بے تعلقی کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ اور بالآخر نتائج منفی ہوں گے۔ کیا ہی اچھا
ہو کہ گھر بیٹھے بیوی کو علم ہو کہ میرے میاں کی معمول زندگی کچھ یوں مرتب ہے
کہ وہ اس وقت فلاں فلاں کاروبار میں مشغول ہوں گے۔ اور اتنے اتنے بجے
آیا چاہتے ہوں گے۔

سہیل! یہ تو دل کی دھڑکنیں ہوتی ہیں۔ جو دو[2] وجودوں میں ایک ساتھ چلتی
ہیں۔ اس اپنے کاروبار اور دفتری معمولات سے بیوی کو بے خبر رکھنا کوئی
دانش مندی کی بات نہیں۔ متفکّر چہرہ اور متغیّر سوچیں خود ہی زبان رکھتی
ہیں۔ اور اگر تفکرات کے دھارے میں بہنے کی بجائے دو ہم خیال اکٹھے

مل بیٹھیں تو کیا مضائقہ ہے؟
اس لئے مَیں سمجھتی ہُوں کہ خاوند کو اپنے معمولات میں زیادہ تر بیوی کو داخل
رکھنا چاہیئے۔ تاکہ وہ محبت، مودّت اور اعتماد سے بھر جائے اور اپنی زندگی کا
ہر لمحہ۔ سوچ۔ مشورہ اور رائے۔ دُکھ سُکھ سب قربان کر دے۔ لیکن اگر بیوی کبھی
کسی مقام پر شوہر سے دریافت کر بیٹھے کہ آپ کا پروگرام کدھر جانے کا ہے۔ تو
شوہر اپنی ہتک خیال کرتا ہے۔ کہ یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ "پس تم مجھے باہر جاتے
وقت ٹوکا نہ کرو"۔ حالانکہ بیوی نے ازراہ ہمدردی پوچھا ہوگا۔ دوسری صورت میں
اگر وہ نوٹس نہ لے کہ جو میاں صاحب کرتے ہیں کرتے پھریں۔ تو ایسی صورت
میں بعض شوہر ناراض ہوتے ہیں۔ کہ میری تو کسی کو پرواہ ہی نہیں ہے۔ نہ جاتے
وقت نہ آتے وقت کوئی توجہ ہی نہیں دیتا۔ اسلئے شوہر کا فرض ہے کہ اپنے
روزمرہ کے معمولات میں بیوی کو عمل و دخل کی اجازت ضرور دے اور کسی حد تک
لازمی دے تاکہ وہ پُر اعتماد رہے۔ کیونکہ وہ اُس کا حصّہ ہے۔ اُس کا لباس
ہے۔ اور یہی اپنائیت کا واحد راستہ ہے۔ اس اپنائیت کے راستے کو اختیار
کرتے ہُوئے شوہر کو چاہیئے کہ بیوی کو اپنی ذات کے متعلق۔ کپڑے۔ کھانے پینے
اُٹھنے۔ جاگنے اور سونے کے متعلق اتنا ذمہ دار بنا دے کہ بیوی اپنی پسند کے
مطابق یہ تمام فرائض سرانجام دے کر خوشی محسوس کرنے لگے۔ اور فخر بھی کرے کہ میرے
میاں میری مرضی و پسند کے لباس و کھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

پس اگر GIVE AND TAKE کے اصول پر دونوں چلیں تو یقیناً
بیوی کو شوہر کی ذاتی ضروریات میں بہت ذمہ داری نہیں پڑے گی۔ جس کا نتیجہ
یہ ہوگا کہ معاشی۔ دفتری اور کاروباری زندگی میں بیوی برابر کی ہی فکرمند ہوگی
اور کچھ نہیں تو دُعا ضرور کرے گی۔ اسلئے خاوند پر لازم ہے کہ زندگی کے ہر

شعبہ میں داخل ضرور کرے تنہا نہ چلے۔ نہ صرف تنہا بلکہ متوازی بھی نہ چلے۔ اغلباً یہی
سبب ہے زندگی کے بے رنگ ہونے کا۔

دونوں کا متوازی چلنا

کیونکہ بعض لوگوں کی زندگی بھی بڑی کٹھن ہوتی ہے۔ دونوں اپنے اصول بنا کر
بیٹھ جاتے ہیں۔ اور عموماً اصول بھی خود ساختہ ہی ہوتے ہیں۔ مگر اپنی اپنی جگہ وہ
دونوں بے راہ روی کے راستے اختیار کئے ہوتے ہیں۔ اور کمال یہ ہے کہ دونوں
کے راستے متوازی چلتے ہیں کسی شاہراہ پر آکر ملتے بھی نہیں۔ اور وہ دونوں اُس میں
پگڈنڈی بناتے ہیں نہ صرف جنکشن بلکہ ریل کی پٹڑیوں کی طرح متوازی چلتے رہتے ہیں
اور اپنے اپنے دائرہ کار میں اپنے اپنے اصولوں کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ اگر
کبھی لچک بھی آجائے تو برائے نام یعنی اگر کبھی کسی جنکشن پر ملتے بھی ہیں تو زیادہ
دیر ٹھہرتے نہیں۔ فوراً الگ الگ لائحہ عمل اختیار کر لیتے ہیں اور یہ جنکشن بھی ان
کی زندگیوں میں بڑی مجبوری اور مشکل سے آتا ہے۔ وگرنہ وہ دونوں ہستیاں جن کو
ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے اپنے اپنے جزیرہ میں رہتی ہیں۔ وہ دونوں گاڑی
کے دو مسافروں کی طرح یا ہوسٹل کے دو روم میٹس کی طرح زندگی کے دن پُورے
کرتی ہیں۔ کبھی تو خدا کے بلاوے پر چلے جاتے ہیں اور الگ الگ ہو جاتے ہیں اور
کبھی کبھی خوش نصیبی ان کو کہیں نہ کہیں۔ کسی نہ کسی موڑ پر جُدا کر دیتی ہے یعنی بذریعہ
طلاق۔

لیکن

دونوں صورتوں میں نقصان اولاد کا ہوتا ہے یعنی اُس نسل کا جس کی پرورش ہی دو
اجنبی وجودوں کے حلقہ میں پائی ہے۔ ماں نے اگر وقت پر ناشتہ دیکر صبح کی تو باپ نے

اخبار کا مطالعہ کر کے دن شروع کیا۔ ماں نے گھر کا کام و کاج کر کے دن گزارہ تو
باپ نے کسب حلال کی تلاش میں رات کر دی ہے۔ شام کو تمام اہل خانہ ٹی۔وی
اور وی سی آر کے سامنے ایسے جمع ہوئے کہ رائے اور تبصرہ کسی کا بھی متفقہ
نہیں۔ کوئی بھی ایک نقطہ پر ٹھہرتا نہیں۔ کیونکہ وہ دونوں بزرگ تو اپنے اپنے زاویۂ نظر
کی الگ الگ دُنیا بسائے بیٹھے ہیں وہ کیوں کر اور کیسے یکجا ہوں؟ بالآخر رات بسر کرنے
کے لئے اپنے اپنے بستروں پر جا پہنچے اور اس طرح اولاد کی تعلیم و تربیت کا خانہ خالی
رہ گیا اور اُن کی زندگی کا معمول متوازی لائن پر چلتا رہا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ زندگی
کا معمول کس نے دیا؟

آیا اُس شوہر نے جو اخلاقی لحاظ سے تو بلند تھے مگر مودّت و سلوک میں
ہمدردی و اُنس میں عدل و احسان میں بیوی کے لئے نظریہ کچھ الگ رکھتے تھے طبیعت
میں خشکی و روکھا پن گھر والوں کے لئے غالب رکھتے تھے اور گھر والوں کی تعلیم و تربیت کے
معیار کو بلند رکھنے کے لئے روک ٹوک ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ اور دوسروں کے
لئے ماسوا بیوی بچے وہ ایک با اخلاق رحم دل اور فرض شناس انسان تھے بیوی
کے رویے سے یا اپنی منفی سوچ کے باعث وہ ایک مستقل ضد اپنے ذہن میں جما
لیتے تھے جس کی وجہ سے خیر اپنے اہل و عیال کے ساتھ بے معنی معلوم ہوتی تھی۔ وہ
اپنے دوستوں کے لئے خیر کا موجب تھے۔ ہمسایہ اور ہمسفروں کے لئے بھلائی انکا مقصدِ
حیات تھا۔ مگر صرف اور صرف ایک بیوی کا وجود ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔

ایسا کیوں تھا؟

جہاں تک میرا ذہن کام کرتا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ انہوں نے بیوی کے لئے شروع
دن سے ہی زاویہ سلوک اپنا مختلف بنا لیا ہوا تھا کہ وہ بیوی کو محکوم اور کم عقل دیکھنے کے

متمنی تھے۔ مگر تمنا یہ بھی تھی کہ یہ محکوم سفید، دراز قد اور حُسن کا مجسمہ بھی ہو اور بعض حالات میں یہ خواہش پوری بھی ہو جاتی ہے۔ مگر اولاد کی دولت پاتے ہی محکوم ہستی خود کو حاکمِ اعلیٰ تصوّر کر لیتی ہے اور اس تصوّر کے ساتھ ہی وہ دھڑام سے نیچے آ گرتی ہے۔ مگر پہلے ہی جھٹکے میں سنبھل کر متوازی چلنے لگتی ہے اور اس متوازی راستوں پر چلنے کی وجہ سے اولاد کا جو ستیاناس ہوتا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ حکم کی دونوں طاقتیں ٹکرا کر منفی نتیجے پیدا کرتی ہیں۔ یہ کہنا ناممکن ہے کہ قصور کس کا ہے؟ البتہ یہ کہنا ممکن ہے کہ اگر شوہر "قَوَّامُوْنَ" کی صفات سے متحمل ہو کر درگزر اور محبّت سے کام لیتے تو معاملہ دوسرا ہوتا اور اگر اپنے نظریات میں ایک وفاکش، مہربان اور سیرت میں یکتا، صورت میں مناسب ساتھی کو جگہ دیتے تو ایک دن یہ پہاڑ ریت کا ڈھیر نہ بنتا۔ کیونکہ ان دونوں کی زندگیاں جیسے کیسے گزر گئی ہیں۔ مگر نسل نے وہ ہیجان اور انارکی اپنے اندر بسالی کہ ایک لاوہ ہے جو وقت ملنے پر پھٹ کر کئی تباہیوں کا پیش خیمہ ہوگا۔ ٹھہرو سہیل! یہاں ایک اور نقطہ یاد دلا دوں۔ یہی کہ یہاں بھی نسل میں بیٹی ہی مار کھا جائے گی۔ اور ٹوٹ پھوٹ کر بجھ جائے گی۔ اور بیٹا اپنے مقدر کا سکندر ہوتے ہُوئے بھی معاشرہ میں اپنا مقام نہ پا سکے گا۔ کیونکہ توڑ پھوڑ اور انارکی نے احاطہ کئے ہُوئے اُس کو انقلاب اور انتقام کے جال میں مقیّد کر دیا ہے۔ وہ اچھا شہری ہوگا نہ اچھا شوہر اور اغلباً اچھا بیٹا ہوگا نہ اچھا باپ۔ کیونکہ جو نقش اُس کے ذہن پر ماں باپ کی بے راہ روی اور انتہا پسندی نے ثبت کئے ہیں وہ کونسا برش مٹائے گا؟ نتیجہ بالآخر یہی ہوگا کہ جماعت ایک عباد الرحمٰن کی پوری نسل سے محروم ہو جائے گی اور اس کا ذمہ دار وہ شوہر ہوگا جو کبھی اصولوں کی صلیب اپنے کندھوں پر لئے پھرتا ہے۔ آج اُس نے انارکی کا طوق اپنی نسل کے گلے میں ڈال دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

باب سوئم

راکھی

کتنا اچھا ہو کہ تم مجھے اجازت دو کہ میں راکھی کا لفظ بیوی کے لئے اس باب میں درج کر دوں۔ کیونکہ گذشتہ باب میں بڑے ذوق و شوق سے شوہر کے لئے راکھے کا لفظ استعمال کر دیا تھا۔ اور دونوں جگہ چونکہ لفظ ایک ہی ہے اور مفہوم بھی زیادہ مختلف نہیں۔ مگر یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ بیوی کا فرض ہے کہ بحیثیت راکھی وہ بہت اعلیٰ نمونے سے فرائض سرانجام دے جو خدا تعالیٰ نے اُس کے ذمے لگائے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے واحد جذبۂ اطاعت ہے۔ جس کا بیوی کے پاس ہونا از حد ضروری ہے۔ نہ صرف ضروری بلکہ لازمی ہے۔ اگر اس کو گراف کی شکل دیں تو یہ مرد کے گرافِ فرض سے بڑھ جائے گا۔ یعنی اگر مرد کے فرض نان و نفقہ کا گراف بنائیں تو بہر حال اُس گراف سے کم ہی ہوگا جو اطاعت کا گراف بیوی کے فرائض پر مشتمل ہوگا۔ خیر گراف وغیرہ تو تمہارے سمجھانے کی ایک کوشش تھی تم حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا جامع بیان اطاعت کے متعلق پڑھ کر حیران ہو گے کہ آپ نے کتنے مختصر لفظوں میں خدا اور اُس کے رسول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر زور دیتے ہُوئے فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"کہ اطاعت اگر سچے دل سے اختیار کی جائے تو دل میں ایک نور اور روح میں ایک لذت اور روشنی آتی ہے۔ مجاہدات کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر اطاعت کی ضرورت ہے۔ مگر اطاعت میں اپنے ہوائے

نفس کو ذبح کر دینا ضروری ہوتا ہے۔"

اسی طرح اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ سے آگے چلیں تو یہ سلسلۂ اطاعت والدین، بزرگ استاد اور شوہر پر ختم ہوتا ہے گویا اطاعت کی زنجیر کا ایک سرا خداوند عالم خالق کل سے شروع ہوتا ہے تو دوسرا سرا خاوند پر جا ختم ہوتا ہے۔ اس لئے نجات کے لئے اطاعت کا ہر شعبہ اپنی اپنی جگہ ازبس ضروری ہے۔

اور جیسے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں کہ سچی اطاعت سے نور اور رُوح میں لذت اور روشنی پیدا ہوتی ہے اطاعت کے تفصیلی معنے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (خدا تعالیٰ آپ سے راضی ہو) نکاح کے ضمن میں بہت وضاحت سے سمجھاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:-

"نکاح میں بھی ایک اطاعت ہوتی ہے .... میاں بیوی کی اطاعت کرے اور بیوی میاں کی اطاعت کرے کہ یہ خدا کا حکم ہے تو ہمیشہ نتیجہ اچھا ہوتا ہے۔ بیسیوں باتیں ہیں جن میں خاوند کی اطاعت کرنی پڑتی ہے کوئی خاوند نہیں جو بیوی کو نہ مانے اور کوئی بیوی نہیں جسے کئی باتیں اپنے خاوند کی نہ ماننی پڑیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی زور سے منواتے ہیں۔ اور کوئی محبت سے مگر چاہے وہ غلط طریق سے منوائیں یا صحیح طریق سے انہیں ایک دوسرے کی اطاعت کرنی پڑتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ "خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک دوسرے کی اطاعت کی جائے۔ اور ایک دوسرے کو محض خدا کے خوش رکھنے کی کوشش کی جائے تو نتیجہ اچھا پیدا ہوگا۔ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص خدا کی رضا کیلئے کام کرے اسکے احکام پر عمل کرے اور پھر اسے ایسا دکھ پہنچے جو اسے تباہ کر دے۔" (خطبات محمود ص۲۸۱)

تو سہل الیقین جانو کسی بھی خاندان کی کامیابی کی ضمانت سچی اطاعت ہی ہے۔ اور اس ضمانت کی ذمہ داری بیوی کے کندھوں پر جاتی ہے۔ پس بیوی کے لئے اطاعت کی ذیل میں بچوں کی پرورش۔ گھر کا کام کاج۔ شوہر کی خدمت اور سسرال میں اپنے پرائے سے روابط تمام فرائض اطاعت میں شامل ہیں۔ پس اطاعت کی صفت سے متصف "راکھی" مثالی زندگی گزارے گی بشرطیکہ وہ چند اور اہم فرائض کو مدِنظر رکھے۔ مثلاً:-

(۱) وہ اپنے میاں کے راز اپنے پاس رکھے اور ان کی محافظ ہو۔

(۲) اُس کے گھر کی حفاظت کرے اُس کی عدم موجودگی میں ہر لحاظ سے اپنی عزت و عصمت کی رکھوالی ہو۔

(۳) اُس کے بچوں کی رکھوالی ہو۔

(۴) وفاداری، تیمارداری، اطاعت کے ساتھ ساتھ خاوند کی ہر کمزوری اور پشیمانی کو پردہ پوشی سے سنبھالے رکھے۔ اُس کا اعلان دوستوں میں کرے نہ رشتہ داروں میں۔ بلکہ اگر ہو سکے تو اولاد کے سامنے بھی بیان نہ کرے۔ وگرنہ اعتماد کی زنجیر ٹوٹ جائے گی۔ یہ اعتماد ہی تو ہے جو میاں بیوی کو ایک دوسرے پر ہوتا ہے۔ یہی تو اس کاروان کو کامرانی و کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ وگرنہ اعتماد کی کڑی جہاں سے بھی ڈھیلی ہوئی سکون لٹ جائے گا۔ اور رازدان نامہربان میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس لئے فریقین کے لئے لازم ہے کہ راز، اعتماد، محبت اور قربانی کو ملا کر جو بھی فضا پیدا ہو۔ اُسے ہمیشہ قائم رکھنے کی سعی میں لگے رہنا چاہیئے رخصتی سے تا لحد یہ عمل قائم رہے تو خدا تعالیٰ برکت ڈالنے والا ہے۔ شرط یہ بھی ہے کہ دعاؤں میں بھی استقامت سے لگے رہیں۔

اقرار

ہاں ایک بات برسبیل تذکرہ کرتی چلوں۔ اور حقیقت میں یہ ایک اقرار ہے کہ عورت میں ایک فطری کمزوری ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سچی، یا محبت و پیار کی شدت میں آکر اپنا راز جلدی ہی اگل دیتی ہے۔ اور وہ کبھی کبھی یہ پرکھ نہیں کر پاتی کہ یہ راز کیا ہے کس کا ہے؟ اور کس کے پاس بیان کرنا ہے؟ نتیجہ سامنے آنے کے بعد ہزار بار پچھتاوے کے باوجود ان جانے میں قدم اُٹھا لیتی ہے۔ بلکہ اُس سے یہ قدم اُٹھ جاتا ہے۔ شاید یہ بے ساختگی اُس کی کسی ساخت کا نتیجہ ہے یا واللہ اعلم۔

مگر

مرد عموماً گھریلو حالات اور گھریلو راز اگلتا کم ہے۔ وہ بہت سے معاملات میں خاموش رہتا ہے۔ اور وقت کو مہلت دے کر آگے بڑھا لیتا ہے۔ اور اس طرح افشائے راز سے جو آفات و مصائب پیدا ہوتے ہیں اُن سے بچ جاتا ہے۔ ہاں اس میں اُس کی مرضی کا عمل دخل زیادہ تر ہوتا ہے۔ مگر جہاں اُس کی مرضی نہ ہو۔ وہاں گرجتے بادل کی طرح تمام قصّے کہہ ڈالتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام رشتے ناطے محض اپنی ناپسندیدگی، مرضی و خواہش کے مخالف رُخ پر چلنے والی ہوا کے دوش پر وہ منقطع کر لیتا ہے اور کبھی سوچتا تک نہیں کہ وہ بھی تو ایک دن ایک کمزور و ناتواں اور ایسی ہی ناقص العقل صنف کی کوکھ سے ہی جنم لے کر بڑا ہُوا ہے۔ اُس سے کیا چڑنا اور کیا لڑنا؟ حضرت اقدس نے کیسا اچھا جملہ ادا فرمایا ہے۔ کہ

"میرے نزدیک وہ شخص بزدل اور نامرد ہے جو عورت کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہے۔"

(الحکم جلد، ص۳)

اللہ تعالیٰ عورت کو ہمّت دے اور بحیثیت راکھی اپنے فرائض کو تباہی کی نذر نہ ہونے دے اور ہمیشہ محبت اور ایثار کے زیور سے مزین رہے۔ آمین ::

مجھے احساس ہے کہ اصل مقصد پر جانے سے پہلے تمہیں بہت طویل القامت دروازے کھولنے پڑے ہیں مگر میں بھی کیا کروں میری مجبوری بھی یہ ہے کہ اصل موضوع کو سامنے لانے سے پہلے اُس کے اسباب سامنے لانے پڑے ہیں۔ اور یہ دونوں دروازے "راکھا اور راکھی" والے اسباب کی تلاش میں کھولے ہیں تاکہ تم منزل پر بآسانی پہنچ سکو۔ اور تمہیں اِن دونوں ابواب میں سے گزر کر احساس ہو گیا ہو گا کہ یہ دونوں کردار جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے بندھن میں باندھ کر تحفظِ عفت اور سکینت و مودّت کی تعلیم دی ہے کتنے اہم ہیں۔ اور اگر یہ دونوں اپنی اپنی ڈگر سے ہٹ کر فرائض منصبی سے منہ موڑ لیں تو یہ پاکیزہ بندھن ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ اور اس ٹوٹ پھوٹ کا نام ہی تو طلاق ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے فضلوں سے دونوں کو ایسی ٹوٹ پھوٹ سے بچائے۔ آمین

راعی

المختصر! اخاندان کے حاکم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے راعی کے لفظ سے نوازا ہے۔ یہ لفظ راعی یعنی راکھا یا راکھی دونوں کو اپنی اپنی جگہ فرائض کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرتا رہے گا۔ اور احساس ذمہ داری کو زندہ رکھے گا۔ جب تک کہ وہ خوشی اور سکون سے زندگی گزارتے رہیں گے۔ اصل میں سکینت حاصل ہی اُس وقت ہوگی جس وقت وہ اپنی ذمہ داری کو اپنی مرضی سے سرانجام دے لیں گے۔ جہاں تک مرضی کا تعلق ہے۔ ہر انسان کا ایک دائرہ اثر ہوتا ہے۔ جس میں اُس کی مرضی چلتی ہے۔ راکھے کا دائرہ اثر اپنی نوعیت کا ہوگا جس میں اُس کی مرضی کارفرما ہوگی اور راکھی کا دائرہ اثر ایک الگ رنگ کا ہوگا جس میں وہ چاہے گی کہ اُس کی مرضی مانی جائے مگر کوشش دونوں کی یہی رہنی چاہیئے کہ اپنی اپنی مرضی کو خدا تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دیا

جائے۔ اور کوئی بات ایسی نہ کی جائے جو خُدا کی مرضی کے خلاف ہو۔ پھر تو یقیناً دونوں کی مرضی کا ٹکراؤ کہیں نہیں ہوگا۔ کیونکہ دائرہ عمل دونوں کا ایک ہوگا۔ اور مرضی اللہ تعالیٰ کی چل رہی ہوگی۔ اس لئے اس کی رضا میں تسکین و چین دونوں کو نصیب ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

مگر

اصل میں صورت حال یہ ہے کہ ہم فیصلے بہت کم وقت میں کرتے ہیں۔ چونکہ عجلت اور جلد بازی انسانی تخلیق کا تقاضہ ہے۔ اس لئے بہت جلد بازی میں فیصلے کر گزرتے ہیں اور پھر ہر فیصلے پر اپنی مرضی ٹھونس کر برتری بھی چاہتے ہیں۔ اگر ہم سوچ و بچار کر کے فیصلے کریں تو یقیناً کوئی فیصلہ بُرا نہ ہو اور خدا تعالیٰ کی رضا کا رنگ اس پر چڑھا ہوا ہو اور سنّتِ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شامل ہو تو پچھتاوے والا فیصلہ کبھی سرزد نہیں ہوگا۔ لیکن یہ چیز قربانی مانگتی ہے اور قربانی دے کر دوسرے کو جیت لینا گو کہ مشکل امر ہے مگر ہے بہت پائیدار۔ اور راکھی اپنے گھر میں ایسی تمام ذمہ داریوں کے ساتھ قربانی ہر لمحہ دیتی ہے۔ کبھی نیند کی قربانی دیتی ہے۔ کبھی خدمت کی قربانی دیتی ہے۔ کبھی جذبات اور ذات کی قربانی دیتی ہے اور کبھی اپنی مرضی کو چھوڑ کر خاوند کی مرضی میں خوشنودی ڈھونڈھ لیتی ہے۔ غرض وہ مختلف تدابیر کر کے خاوند کو جیت لیتی ہے اور اس کی یہ جیت خاندان کی جیت ہوتی ہے۔ اور اس طرح خاندان بندھا رہتا ہے ٹوٹتا نہیں۔ اور خاندان کا بندھا رہنا ہی نکاح و شادی کا حاصل ہے۔ جو راکھی کی قربانی سے ہی ممکن ہے۔ پھر کیوں نہ یہی فیصلہ کر لیا جائے کہ محبت کی پیکر عورت سراپا قربانی ہے اور مرد کیلئے لازم ہے کہ اس کے جذبہ کی قدر کرے۔ اور اس نعمت کا شکر ادا کر کے گھر کو جنّت بنا لے۔ گو کہ یہ بھی ایک تدبیر ہے اور تم جانتے ہو کہ زندگی تدبیر کا مجموعہ ہے

اور اگر دونوں میاں بیوی تمام تدابیر ایک ہی جہت میں اور احکام الٰہی کی روشنی میں کریں تو زندگی میں بہت سی خوشیاں میسّر آسکتی ہیں۔ مثلاً یہ ایک تدبیر ہے کہ راکھی صبح اُٹھ کر ناشتہ تیار کرے تاکہ رات کے بھوکے معدے کو کچھ کھانے کو ملے تو یہ بھی ایک تدبیر ہے کہ راکھا بچوں کو جگا کر اسکول کے لئے تیار کر دے اور گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹا کر کام آسان کر دے۔ جیسا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام و کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اور یہ واضح سنّت ہے اور اگر بیوی کھانا پکاتی ہے تو میاں برتن لگا لے۔ اور اگر کھانا اکٹھا کھا لیا ہے۔ تو باقی کھانے کو محفوظ کر لے۔ تا بیوی برتن دھو لے۔ اور یہ بھی ایک تدبیر ہے کہ کھانا ضائع نہ کیا جائے۔ پلیٹ میں ہی تھوڑا ڈالا جائے۔ کوئی لقمہ نہ ضائع کیا جائے۔ کیونکہ کسی اور بھائی کا اس سے فائدہ ہو سکتا ہے وغیرہ۔

مگر دیکھنے میں کیا آتا ہے اور ہوتا کیا ہے؟ کہ ہمارے میاں بیوی بہت زیادہ اختلاف بڑھا لیتے ہیں۔ اور منطبق ہو کر نہیں چلتے۔ انجام کار جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہو جاتا ہے۔ یعنی جس کی چلتی ہے وہ غالب ہو کر اپنا فیصلہ سنا دیتا ہے۔ اور اس فیصلے کا نام عُرفِ عام میں **طلاق** ہے یعنی علیحدگی مابین میاں بیوی۔ اور جہاں تک مجھے یاد ہے تم خود اس لفظ سے بخوبی واقف ہو۔ کیونکہ ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ اس لفظ کا بھیانک سایہ تمہارے گھر کی درو دیوار پر بھی منڈھلاتا رہا تھا اور تم دل گیر تھے۔ تم نے کئی بار کوشش بھی کی کہ اپنی بہن کا سہاگ بچا لو۔ اور خوشیوں کے پھول مُرجھانے نہ دو۔ مگر ٹیڑھا دماغ جب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو وہ جیئے گا یا مرے گا ٹیڑھا ہی چلے گا اور خدا کی ذات کے سوا کوئی طاقت اُس کو سیدھا چلا نہیں سکتی۔ صرف دُعا کا ہتھیار تمہارے پاس باقی رہتا ہے۔ باقی اگر کسی وجہ سے یا بدقسمتی سے گھر دوزخ بن ہی جائے اور

زندگی اجیرن ہو جائے تو طلاق ذریعہ آزادی اور رہائی ثابت ہو سکتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی مدد ہو تو یہ علیحدگی برکت اور نعمت ہو سکتی ہے۔ ویسے خدا تعالیٰ سے دُعا مانگتے رہنا چاہیئے کہ نکاح جیسی نعمت میں بندھ کر جدائی پیش نہ ہی آئے۔
کیونکہ نکاح ہم اسی لئے کرتے ہیں کہ مومنوں میں زیادتی ہو یعنی نسل میں اضافہ ہو۔
جیسے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

تَزَوَّجُوا وَدُوْدًا وَلُوْدًا ۔

(ابی داؤد کتاب النکاح حدیث ۳)

یعنی۔ شادیاں کرو ان عورتوں سے جو محبت کرنے والی ہوں اور بہت بچے جننے والی ہوں۔

اور جب ہم علیحدگی اختیار کرتے ہیں تو یہ بندھن ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ہم اس طرح امتِ محمدیہ کو بڑھانے والے نہیں ہوتے بلکہ روک دینے والے ہوتے ہیں۔
خدا تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین ؛

باب چہارم

طلاق

یوں تو طلاق کے لفظی معنے قید سے رہائی اور آزادی ہے۔ مگر قید کس کو کہیں گے یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہاں ایک لحاظ سے وہ معاہدہ یا بندھن جو گواہوں کی موجودگی میں بذریعہ اعلان عوام کے سامنے نکاح کے روز باندھا گیا تھا۔ گویا اعلانِ قید تھا۔ اور اب یہ فیصلہ طلاق اس اعلان نکاح پر خطِ تنسیخ ہے جو شوہر نے تنہا بغیر گواہوں کے اور بغیر موجودگی عوام اور بغیر خطیب و قاضی خود ہی کھینچ ڈالا ہے۔ یہ مجھے اور تمہیں ماننا پڑے گا کہ اگر اسلام یہ خطِ تنسیخ کھینچنے کی اجازت نہ دیتا تو تباہیاں کئی خاندانوں کا مقدر بن چکی ہوتیں۔ برائی، فحاشی، اذیت جسمانی اور ذہنی کئی لوگوں کا جینا محال کر دیتی۔
اسلام چونکہ فطری مذہب ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں طلاق کی اجازت دیکر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔ پس

"اگر فریقین اس معاہدہ کو نبھانے کے قابل نہ رہیں یا آپس میں نباہ نہ کر سکیں اور وہ اس معاہدہ کو ختم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ تو باوجود اس کے دینی تقدس کے شریعت نے اس معاہدہ نکاح کو ختم کرنے کی اجازت دی ہے۔" (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صـ۶۵ حاشیہ)

مگر جلد بازی سے قطعی منع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ معاہدہ بھی کوئی کھیل نہ تھا جو کھیلا گیا۔
پس جب تک کوئی چارہ اور باقی نہ رہے نکاح کو ختم کرنا اور حقِ طلاق استعمال کرنا

معروف امر نہیں ہے۔

نُشُوزَھُنَّ

ایک بات کی وضاحت کرتی ہوں کہ طلاق کی جو باتیں یا وجوہات اسلام نے بیان کی ہیں وہ ذرا خاصی مشکل ہیں۔ مثلاً نشوز علیحدگی کا پیش خیمہ ہے۔ نُشُوزَھُنَّ فرما کر اس طرف توجہ دلائی ہے کہ نافرمانی کرنے پر اور اطاعت سے نکل جانے کی بناء پر مرد کو اجازت ہے کہ کوئی واجب قدم اُٹھالے۔ اور اس پر بھی بتدریج علاج کے ذینے بتائے ہیں۔ علاج سے پہلے نشوز کی بھی وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ ہر فعل کا ایک ایسا درجہ ہوتا ہے کہ جس پر جاکر وہ خود بخود بے مہار ہو جاتا ہے۔ اور انسان کو بے بس کر دیتا ہے۔ اور ایسے آخری درجہ تک پہنچنے میں بھی وقت لگتا ہے۔ اسی طرح اس کا علاج تجویز کرنے میں بھی وقت لگے گا۔ حاصل کلام یہ کہ نشوزھن کے نتیجہ میں بھی جلد بازی اور فیصلہ سازی سے منع فرمایا ہے۔ اور کچھ تدابیر قرآن مجید نے ساتھ ہی منسلک کر دی ہیں۔ جن کی وضاحت میں آگے چل کر کروں گی۔ اس وقت تم صرف تدابیر سامنے رکھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ
فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ۔ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا
عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا ۝ (سورۃ النساء: آیت ۳۵)

نشوز سے مراد گھر کی باتوں میں اختلاف اور طبیعت ورائے میں اختلاف مراد نہیں ہے بلکہ قطعی طور پر ایسا نہیں ہے بلکہ "عورت کا نشوز یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند سے بغض رکھے۔ اپنے آپ کو اس کی اطاعت سے بالا سمجھے اور اپنی آنکھیں دوسرے مرد کی طرف اُٹھائے۔ کچھ مفسروں نے اس کو اور وسعت دی ہے اور بتایا ہے کہ ناشزہ

وہ عورت ہے جو اپنے شوہر پر بلندی چاہے۔ اُس کا حکم نہ مانے اُس سے بے رُخی کرے۔ اور اُس سے بُغض رکھے۔" (ابن کثیر)

پس جیسے کہ میں کسی گذشتہ باب میں تمہیں بتا کر آئی ہوں کہ بیوی کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ وہ شوہر کے باہر جانے پر اُس کے گھر بار اور عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہے اور شوہر کی عزت و آبرو کی حفاظت سے مراد عفت و عصمت کی حفاظت ہے۔ جو بحیثیت راعی اُس کا فرض اولین ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر عورت کی کچھ اس طرح نشان دہی کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"سب سے بہتر عورت وہ ہے کہ جب اُس کا مرد اس کو دیکھے تو خوش ہو جائے اور جب کوئی حکم دے تو وہ مان لے۔ اور جب شوہر گھر پر موجود نہ ہو۔ تو وہ اپنی جان اور اُس کے مال کی حفاظت کرے۔"

(سیرت النبیؐ جلد ششم ص ۲۶۳)

پس میرا خیال ہے کہ اس کا مفہوم یعنی نُشُوزَھُنَّ کا مفہوم تمہاری سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ پس خدا تعالیٰ نے بتدریج اس نشوز کی سزائیں بھی تجویز کی ہیں فرماتا ہے کہ فَعِظُوْھُنَّ انہیں حکمت کے ساتھ سمجھایا جائے۔ اسلامی حدود کا نقشہ ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ نصیحت اور واعظ سے اچھے اور بُرے پہلو بیان کئے جائیں۔ پھر اگر وہ کہنا مان لیں تو حُسنِ سلوک سے زندگی بسر کرنی شروع کر دی جائے یہاں خدا تعالیٰ نے عورت کا تخلیقی نکتہ مدنظر رکھا ہے اور اُس کی نزاکت کے ماتحت اُسے دنگا مُشتی اور فساد کے رویہ سے روکنے کا علاج نہیں بتایا بلکہ زینے متعین کرتے ہُوئے اُس کے نشوز کا علاج نصیحت و حکمت علی بتایا ہے۔ فَعِظُوْھُنَّ فرما کر متوجہ کرتا ہے کہ تم طاقتور ہو۔ تم قوام ہو۔ حوصلہ دکھاؤ۔ باغیانہ طریق اختیار نہ کرو۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے تمہیں کئی پہلوؤں سے فضیلت بخشی ہے اس لئے حوصلہ سے کام لیتے

ہُوئے پہلے نصیحت کرو۔ اگر نصیحت کارگر نہ ہو تو دوسرا قدم اٹھاؤ۔ دوسرا اصلاحی قدم درجۃً کچھ سخت ہوگا۔ مگر ہر سزا اپنے اندر محبت و رفت کا پہلو رکھتی ہے۔ مگر اصلاحی پہلو مقدم رکھتے ہُوئے خدا تعالیٰ نے مارنے تک کا حکم دے دیا ہے۔ اور مارنے کے لئے بھی نرمی کا پہلو مدِّنظر رکھا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی پاک سرورِ کائنات نے عورت کی تخلیقی کجی کو بیان فرماتے ہُوئے مردوں کو امن و آشتی کی نصیحت فرمائی اور نرمی و نیکی کی تلقین کی۔ آپ نے فرمایا:۔

"عورتوں سے نیکی کرنے میں میری وصیّت قبول کرو۔ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور پسلی میں کجی ہوتی ہے۔ اے خاوند اگر تو اُسے بالکل سیدھا کرنا چاہے گا تو تُو اسے توڑ دے گا اور اگر اُسے چھوڑ دے تو کجی کے باوجود تو اُس سے بہت فائدہ اُٹھا سکے گا۔ پس عورتوں کے بارے میں میری وصیّت مان لو۔ (کہ اُن سے نرمی کا برتاؤ کرو)"

(بخاری و مسلم)

یہاں کجی کی وضاحت اگر ہو جائے تو یہ لفظ ذومعنی نہیں رہے گا۔ اور تمہیں سہولت ہوگی۔

"کجی کا مطلب پیدائش میں کجی ہوتی ہے۔ یعنی اخلاق میں ناز کا پہلو ہوتا ہے"

(مجمع البحار جلد اوّل)

تلقین و نصیحت کے بعد بھی اگر کوئی واضح اصلاح نہیں ہوتی تو خدا تعالےٰ نے اس سے آگے بڑھنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ یعنی پھر ان کو بستروں میں تنہا چھوڑ دو۔ یعنی ایک اور رنگ میں سزا سمجھائی کہ اگر عورت تمہاری زبانی نصیحت پر بھی اپنے بداخلاقی اور مشتبہ دھندے بند نہیں کرتی تو تم پہ یہی واجب ہے کہ اُس سے سخت قدم اُٹھاؤ اور وہ یہی ہے کہ اس کی شب و روز سے الگ

ہو جاؤ۔ وہ گھر کے سامان کی طرح تمہارے گھر کی زینت رہے۔ تمہارے لباس کا حصّہ نہ ہو۔ اُسے خلوت میں تنہائی کا احساس ہونے دو اور خود جدا ہو جاؤ۔ ہو سکتا ہے اُس کا احساس ذمہ داری بیدار ہو جائے۔ اور اگر اس طریقہ علاج سے بھی وہ نشوز کے راستوں سے لوٹ کر نہیں آتی تو تمہیں خدا تعالیٰ نے ایک اور اجازت دے کر اصلاح کے لئے راستہ ہموار فرمایا ہے۔

سہیل! ایک لمحہ ٹھہرو اغلباً مَیں نے نشوز کے تفصیلی معنوں کا تم سے ذکر نہیں کیا یہ خیال مجھے اس وقت اس لئے آیا ہے کہ اگلا قدم اصلاحی مارنے کے متعلق ہے یعنی اگر خلوت میں چھوڑنے کے باوجود عورت نہ پلٹے تو بے شک عملی سختی کی اجازت ہے۔ یہاں مجھے اپنی مستورات کا نقشہ سامنے آگیا اور خیال پیدا ہوا کہ میری بچیاں، بیٹیاں۔ بہنیں تو ناشزہ اُن معنوں میں نہیں ہیں۔ جن میں اسلام نے مارنے تک کی اجازت دے دی ہے کیوں نہ مَیں نشوز کا واضح تفصیلی مطلب تمہیں سمجھا لوں پھر اُس کی سزا ابھی تجویز شدہ پیش کروں۔ تو واضح ہو کہ نشوز (سرکش۔ نافرمانبردار) یہ اسم مصدر نَشَزَ سے ہے۔ اُس نے اپنے آپ کو اُٹھایا۔ ابھارا۔ بلند کیا۔

نَشَزَتِ الْمَرْأَةُ عَلٰی زَوْجِهَا کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے خاوند کے خلاف اُٹھی اور اپنے آپ کو میاں کے خلاف اُونچا کیا۔ ممتاز کیا اور مقابلہ کیا اور اُس کی بُری ساتھی تھی۔ اصل میں یہ اُس عورت کا ذکر ہے جسے عربی میں ناشزہ بھی کہتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ میری قوم کے آبگینے نافرمانی اور آوارگی کی مذکورہ حدوں کو نہیں چھوتے خدا تعالیٰ محفوظ رکھے اور چونکہ نشوز کے معنے اُٹھ جانا ہے اور اگر عورت اپنے گھر سے باہر نکل جائے اور اپنے آپ کو بے راہ روی کے سپرد کر دے تو ناشزہ ہی کہلائے گی جو کہ عموماً میری قوم کی بچیاں نہیں کہلائیں گی۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین ۞

وَاضْرِبُوْهُنَّ

پس پھر آخری درجہ کی تنبیہہ مردوں کے سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ نے گھر کو ٹوٹنے سے بچایا ہے۔ سب علاج بتدریج کرنے کے بعد آخری علاج سرزنش کرنا بھی واجب قرار دیا ہے۔ لیکن مار کے لئے ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ فرما کر خدا تعالیٰ نے عورت پر احسان کیا۔ اور اپنے رحیم ہونے کی شان بلند کرتے ہوئے رحم سے سرزنش جسمانی کرو مگر اس میں بھی یہ خیال رہے کہ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْہَ۔ چہرے پر نہ مارنا۔ اور ایسی مار ہو جو ہلکی ہو کہ جسم پر نشان نہ پڑے۔ اور چہرے پر مارنے سے سختی سے منع فرمایا کہ اگر تمہیں با امر مجبوری آخری حربہ مار استعمال ہی کرنا ہے تو یاد رہے۔ مسلمانو! وہ جسمانی مار عورت کو نہ دینا جو تکلیف دِہ ہو۔ یعنی ایسی مار نہ ہو جس سے عورت کے کسی عضو کو نقصان پہنچے۔ بلکہ یہاں تک تصریح کر دی کہ اس سے مقصود مسواک وغیرہ سے مارنا۔ (تفسیر طبری جلد ۵ صـ۴۱)۔

کیونکہ مسواک وغیرہ سے کوئی چوٹ نہیں آسکتی۔ ورنہ عورتوں کو عام طور پر یوں مارنا اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کا دستور تھا۔ جن کی اسلام نے اصلاح کی ہے۔۔۔ یہاں تک کہ رسول خُدا صلّی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مارنے والے شوہروں کے متعلق فرمایا ہے کہ بیویوں سے بدسلوکی کرنے والے اچھے لوگ نہیں۔

المختصر کھلی بے حیائی کے نتیجہ میں جسمانی تادیب کے بعد بھی اگر کوئی بدنصیب عورت راہ راست پر نہ آئے تو علیٰحدگی آخری تدبیر ہے۔ جو اگرچہ انتہائی ناپسندیدہ چیز ہے مگر اسلام باَمرِ مجبوری اجازت دیتا ہے۔

مجھے مکرر کہنے دیں کہ میری قوم کی بیٹیاں اور بیبیاں عموماً نشوز کی کسی ایسی حدود کو نہیں چھوتی جو قابلِ نفرین اور کھلی بے حیائی ہو۔ کیونکہ لجنہ اماء اللہ کی وہ ممبرات جو اسلام

کی فرمودہ حدود کا احترام دل و جان سے کرتی ہیں۔ اور محسنہ ہیں عفت اور احسان کے رنگ میں اپنی زندگی بسر کرتی ہیں۔ خدا تعالیٰ زیادہ سے زیادہ ان کی حفاظت کرے اور نشوز کے کسی شعبہ سے بھی آن کا دُور کا واسطہ نہ ہو۔ آمین یارب العالمین۔

طلاق کے اسباب جاننے کے بعد یہ لازم آتا ہے کہ طریقۂ علاج پر غور کیا جائے جب مرض کی علامات واضح ہو جائیں تو اوّل حسنِ سلوک کے ساتھ معاملات کو نپٹایا جائے۔ پھر اصلاح کے زینے طے کئے جائیں۔ اور نامفاہمت ارادی طور پہ در پیش ہو تو آخری زینہ **طلاق** اختیار کرنے کی اجازت ہے۔

حضرت بانیِ سلسلہ عالیہ احمدیّہ نے بہت جچے تلے لفظوں میں تمام مراحل و اسباب کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

"اگر نصیحت کے باوجود ناموافقت کے آثار ظاہر ہو جائیں تو تم بعد از نصیحت خواب گاہوں میں اُن سے جُدا ہو جاؤ۔ یعنی خلوت میں اُن سے کنارہ کرو۔ اُن سے بات کرنا بھی چھوڑ دو (یعنی جیسی جیسی صورت اور مصلحت پیش آوے) پس اگر وہ تمہاری تابعدار ہو جائیں تو تم بھی طلاق وغیرہ کا نام نہ لو اور تکبّر نہ کرو۔ کہ کبریائی خدا کے لئے مسلم ہے یعنی دل میں یہ نہ کہو کہ اس کی مجھے کیا حاجت ہے۔ مَیں دوسری بیوی کر سکتا ہوں۔ بلکہ تواضع سے پیش آؤ کہ تواضع خُدا کو پیاری ہے"۔

(آریہ دھرم صـ۴۵)

آخری زینہ و آخری علاج

چونکہ اس ناپسندیدہ قدم سے خوشی کوئی پیش نہیں آسکتی۔ اسلئے اسلام نے غم و غصّہ کے جذبات پر قابو پانے کے لئے بھی کچھ منازل رکھ دی ہیں۔ تاکہ خاندان میں

ٹوٹ پھوٹ سے بچاجاوے۔ مثلاً پہلی منزل یہ ہے :۔

(۱) کہ طلاق میں رجوع کی اجازت دے دی ۔

(۲) دوسری منزل یہ ہے کہ الگ الگ وقتوں میں زبانی یا تحریری تین طلاقوں کا مرحلہ مقرر فرما دیا۔ تاکہ ایک تو تمہیں سوچنے کی مکرر سہ مکرر مہلت ہے۔ دوسرے تم جلد ہی ایک حتمی فیصلہ کرنے میں پچھتاوے کا بوجھ گلے میں نہ ڈال لو۔ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی سرزنش اتنی کافی ہو کہ بیوی کی حالتِ نشوز و بداخلاقی سدھر جائے۔ اور وہ راہ راست پر آجائے۔ کیونکہ بعض لوگ گر گر سنبھل جاتے ہیں اور ایسے سنبھلتے ہیں کہ دوبارہ نہیں گرتے۔ اصل میں انہیں گڑھے کی گہرائی کا علم ہی تہہ تک پہنچنے پر ہوتا ہے۔ باہر کھڑے زندگی کو مذاق خیال کرتے ہیں۔ اور یہ اس لئے بھی ہوتا ہے کہ وہ فراست سے عاری ہوتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے مرد کو تین مواقع عطا کئے ہیں۔ یہ کہ خود سنبھل جائے۔ یہ کہ دوسرے کو سنبھال سکے۔ اور تیسری منزل یہ ہے کہ

(۳) طلاق ہی حالتِ طُہر میں دے۔ تاکہ جنون و غصہ میں کمی آجائے۔

(۴) عدت کے اندر ہی بغیر کسی شرط رجوع کرلے۔ یعنی طلاق کو واپس لے لے اور بیوی کو حسب سابق اپنی بیوی ہی خیال کرے ۔

یہ چار پانچ ایسے ارشادات ہیں جو اس البغض الحلال علاج کو اپنانے والے کے لئے فرمائے گئے ہیں۔ اب ان پر مزید غور کرنے کے لئے تھوڑی سی تفصیل میں ضرور جانا پڑے گا۔ کیونکہ اجازت ، وجۂ اجازت اور اپریشن و علاج کے درمیانی فاصلے وضاحت طلب ہیں تو عزیزم میں کوشش کرتی ہوں کہ ان پر الگ الگ روشنی ڈالوں۔ اور اس PROCESS کی کوتاہیوں کو جو مردوں سے سرزد ہوتی ہیں تمہارے لئے واضح کردوں۔ تاکہ تمہارے ایسے ذہین جب خداتعالیٰ کی دی ہوئی اجازت سے

فائدہ اٹھانا چاہیں تو فائدہ اُٹھانے کے ڈھنگ بھی اُن کو آنے چاہئیں۔ تاکہ طریقِ کار سے بخوبی واقف ہوں وگرنہ اپنے لئے دوزخ مول نہ لیں اور خداتعالیٰ کی کتاب سے نہ کھیلیں ۔

سہیل! ایک لمحہ ٹھہریں۔ بہتر ہوگا کہ اگر میں طلاق کی کچھ درجات کا ذکر کردوں ناگزیر برائی کا ہر پہلو سامنے آجائے۔ اور اس انتہائی ناپسندیدہ فعل کے لئے قدم اُٹھاتے وقت میرا ہر خادم ہزار بار سوچ سکے۔ آمین ۔

طلاقِ رجعی

"یہ وہ طلاق ہے جس میں خاوند عدت کے دوران رجوع کر سکتا ہے مثلاً ایسے ایّام میں جب کہ عورت حالت طُہر میں ہو۔ صرف ایک طلاق دے۔ اس طلاق کے بعد خاوند عدت کے اندر بغیر کسی زائد شرط کے رجوع کر سکتا ہے۔ یعنی اس طلاق کو واپس لے سکتا ہے۔ اور عورت کو حسبِ سابق اپنی بیوی کے طور پر رکھ سکتا ہے۔"

(فقہ احمدیّہ حنفیہ صـ ۸۱)

طلاقِ بائِن

یہ وہ طلاق ہے جس میں خاوند رجوع تو نہیں کر سکتا۔ البتہ عدّت کے دَوران یا عدت کے بعد بیوی کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ یعنی نکاح کے بعد نکاح کے بعد قبل از رخصتانہ طلاق دے تو رجوع کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ طلاق بائن بن جاتی ہے۔ یعنی رجعی طلاق گویا ایک معلق طلاق ہے۔ عدت کے دوران اسے واپس لیا جا سکتا ہے لیکن عدت گزرنے کے بعد یہی طلاق بائن ہو جائے گی ۔

(فقہ احمدیّہ حنفیہ صـ ۸۲)

طلاقِ بتہ

یہ وہ طلاق ہے جسے قطعی طلاق بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس میں نہ تو رجوع ہو سکتا ہے نہ دوبارہ نکاح جائز ہے۔ یہ طلاق فریقین کے درمیان قطعی تفریق کا باعث بن جاتی ہے۔

یاد رہے کہ ایک ہی نشست میں تین طلاقیں دینے سے کوئی طلاق بتہ نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ قرآن کے مطابق تین مختلف اوقات میں تین دفعہ طلاقیں نہ دی جائیں۔ اور ایک ہی نشست میں تین طلاقوں کے بعد اگر کوئی شخص پشیمان ہوا اور رجوع کرنا چاہے تو اُس کے رجوع کے حق کو تسلیم کیا جائے گا مگر عرصۂ عدت میں جو کہ چار ماہ ہے۔

بابِ پنجم

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ

یہاں مَیں اُس طریق کار کا ذکر کروں گی جس کی اجازت خدا تعالیٰ نے عطا کی ہے کوئی خاص طلاق جس میں خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہے۔ صرف دو دفعہ ہی ہو سکتی ہے۔ یہاں مَرَّتٰنِ کا لفظ استعمال فرما کر کچھ رکاوٹیں ڈال دیں یعنی دوبارہ طلاق دینے سے اصل میں طلاق کا اطلاق ہوگا۔ پھر تیسری بار اور آخری بار معاملہ ختم ہو جائیگا۔ دو بار کی وضاحت بھی یوں ہے کہ دو طلاقیں بھی بیک وقت نہیں دی جا سکتیں بلکہ یکے بعد دیگرے دی جاتی ہیں۔ جس کی طرف مَرَّتٰنِ میں اشارہ ہے۔ یعنی مرّۃ بعد مرّۃ اور ہر طلاق کی مدت تین طہر ہے۔ پس طلاق دینا اور عدت کے بعد دوبارہ نکاح کر لینا اور اگر دو رجعی طلاقیں ہو جائیں اور اس کے بعد بھی تیسری بار طلاق دے دے تو ایسے شخص کے لئے اس عورت سے دوبارہ نکاح جائز نہیں جب تک کہ باقاعدہ وہ شرعی نکاح دوسرے مرد سے نہ کر چکی ہو۔

عزیزم! تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بھڑکے ہوئے جذبات کو لے کر فیصلہ کن قرار نہیں دیا۔ بلکہ فرماتا ہے کہ اگر مرد جذبات کے دھارے میں بہے بغیر اپنے حالات سے تنگ آ کر یا بہت لاچار ہو کر یہ طاقت "حقِ طلاق" استعمال کرتا ہے۔ تو اسلام اُس کے لئے تمام لائحہ کار کا ذکر کرتا ہے۔ اور تشنگی کہیں بھی رہنے نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ جھگڑے اکثر و بیشتر بیوی کے علاوہ بچوں اور قریبی رشتہ داروں کے لئے بھی تباہ کن ثابت ہوتے ہیں۔ اسلئے ہر

خطرہ کی نشان دہی فرماتے ہُوئے بے قاعدگیوں سے منع فرمایا۔ اور قاعدے و قوانین
واضح کر کے احکامات منضبط کر دیئے۔ میری ناقص سوچ کے مطابق خداوندِ عالم
نے کسی مسئلہ کے متعلق اتنے اہم اور تفصیلی ارشادات نہیں دیئے۔ ہر جگہ ہر لمحہ
اور ہر ممکن خدا تعالیٰ نے بندھے ہُوئے رشتہ کو ٹوٹنے سے بچانے کی کوشش کی
ہے۔ اور پھر بعدہٗ عورت کے حقوق کی نگہداشت پر تاکیدی احکامات نازل فرمائے
ہیں۔ کوئی مرد کسی حال میں بھی یکبار تین طلاقیں نہیں دے سکتا۔

"یہ حق تین الگ الگ طُہروں میں استعمال کرے گا۔ پہلے طُہر میں
پہلی طلاق۔ دوسرے طُہر میں دوسری طلاق اور تیسری طُہر میں تیسری
طلاق اور اس طرح تین طلاقوں میں دائمی فرقت ہو جائے گی۔"

(فقہ احمدیہ صـ۸۳)

رجوع

مگر بعض فقہاء نے مرد کے رجوع کے حق کو زیادہ پابند کیا ہے۔ لیکن ایسی
طلاق جس میں خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہے۔ صرف دو دفعہ ہو سکتی ہے۔ ایسا
ہرگز نہیں ہے کہ عورت کو تنگ کرنے کے لئے اُسے بار بار طلاق دیتا رہے اور
جب مدت ختم ہونے کا وقت قریب آئے تو رجوع کرے۔ احکامِ دینیہ کے ساتھ
یہ ایک ناپاک تمسخر ہے۔ جس کی اسلام ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

سہیل بیٹا! پلیز دوبارہ وضاحت پڑھیئے:۔

"الطلاق سے مراد وہ طلاق ہے جس کی عدت گزر چکی ہو۔ وہ طلاق
نہیں جس پر عدت نہ گزری ہو۔ (عدت تین طُہر ہے) اس میں رجوع
ہو سکتا ہے اور جس پر عدت گزر چکی ہو اس میں دو دفعہ نکاح
ہو سکتا ہے تیسری دفعہ نہیں۔" (تفسیر کبیر صـ۵۱۵)

گویا ہم دوبارہ وضاحت پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ طلاق کے بعد تین طُہر
گزرنے کے اگر مرد نکاح کرے اور بدنصیبی سے پھر طلاق دے دے۔ اور پھر
دوبارہ تین طُہر گزرنے کے بعد نکاح کر کے رجوع کرے لیکن اب تیسری بار بھی
طلاق دے دے تو بعدہٗ اُس کو نکاح کا حق حاصل نہیں رہتا۔ بلکہ کسی اور مرد
سے شرعی نکاح کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی اب رجوع کا حق رہتا ہے نہ نکاح کا
یہ حق اس کو تبھی حاصل ہو سکے گا جب وہ عورت کسی دوسرے مرد سے باقاعدہ
نکاح کرے اور وہ شخص کسی وجہ سے طلاق دے دے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے کہ:۔

"ان دو طلاقوں کے بعد یا تو عورت کو معروف طریقے سے اپنے
گھروں میں بسا لو یا حُسنِ سلوک کے ساتھ رخصت کر دو۔"

پس حقیقت میں یہ تین طلاقیں ہُوئیں۔ دو تو عدت گزر جانے کے بعد نکاح
دو دفعہ کر کے اور تیسری طلاق احسان و مروّت کے ساتھ رخصت کر کے بلکہ
کچھ زائد مال دے کر عزت افزائی سے باہم یہ اقرار کر کے کہ ہماری طبائع باہم نہیں
مل سکیں اور ناگزیر وجوہات کی بناء پر ہم علیحدہ ہونے پر مجبور ہیں مگر یاد رہے
کہ علیحدگی اس لئے نہیں کہ تمہیں (یعنی عورت کو) نادار کر دیا جائے۔ بلکہ مالی
لحاظ سے تمہیں پسماندہ نہیں کروں گا۔ اگرچہ میری اور تمہاری متفقہ کوششوں
کے بعد ہم اکٹھا نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا معذرت اور احسان کے بعد الگ الگ
راستے اختیار کرنا جائز اور حلال ہے۔ گو کہ حلال میں سے ناپسندیدہ ترین
حلال ہے۔ کیونکہ انسان بنی بنائی زندگی کو بعض ذاتی اختلافات کی بناء پر توڑ
دے۔ جو کسی لحاظ سے بھی دانشمندی کا فیصلہ نہیں ہے۔ پس چند جملوں میں یہ
اقرار نامہ دلوں کو جوڑ تو نہیں سکتا۔ مگر نفرت کے آلاؤ کو کمزور ضرور کر سکتا ہے

لہٰذا اسلام نفرت کو دلوں سے صاف رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور محبت کو دلوں میں مکین بناتا ہے۔

یکبار

یہ لفظ یکبار تمہیں بار ضرور کرائے گا کہ کھڑے قدموں جو فیصلے تمہاری عمر کے خدام کرتے ہیں وہ کتنے غیر دانشمند اور کمزور ہوتے ہیں۔ اس لئے یاد رہے کہ تین طلاقیں ایک بار ہو ہی نہیں سکتیں۔ قدرتِ ثانیہ کے مظہر ثانی فرماتے ہیں:

"کہ خواہ مرد ہر مہینے میں ایک طلاق دے یا شروع میں ایک دفعہ دے دے اس سے طلاق کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فقہاء نے ہر مہینے طلاق دینے کی طرف توجہ اس لئے دلائی ہے کہ اس طرح مرد کو بار بار رجوع کرنے کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ میرے نزدیک خواہ انسان ایک دفعہ طلاق دے یا ہر مہینے طلاق دے وہ ایک ہی سمجھی جائے گی اور عدت گزرنے کے بعد خاوند نکاح کر سکے گا۔ اس قسم کی طلاقیں صرف دو۲ جائز ہیں۔ یعنی طلاق دینا اور عدت کے بعد نکاح کر لینا۔ اگر دو۲ ہو جائیں۔ تو اس کے بعد پھر اگر وہ تیسری مرتبہ طلاق دے دے تو ایسے شخص کے لئے اس عورت سے دوبارہ نکاح جائز نہیں۔ جب تک کہ وہ باقاعدہ اور شرعی نکاح دوسرے شخص سے نہ کر چکی ہو۔"

ایک وضاحت

میں خیال کرتی ہوں کہ مکرر باتیں اس لئے کہنی پڑتی ہیں کہ ع

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

اور مستند کلام جو بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اور قدرت ثانیہ کے مظہر اوّل، ثانی، ثالث اور رابع کا فرمودہ جامع رنگ میں تحریر ہوتا ہے۔ اسلئے میری ناچیز سعی پر مہر لگا کر حرف آخر کا نقشہ پیش کرتا ہے اور مجھے یہ خوف نہیں ہوتا کہ تم طوالت سے گھبراؤ گے اس لئے کہ یہ دکھی باتیں ہیں اور یہ دکھ کے تیر کسی نہ کسی رُخ سے مجھے نکالنے مقصود ہیں۔ اسلئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے میں کئی باتوں کو سہ بار کہہ جاتی ہوں۔ خدا کرے کہ زیادتی تم سے کہیں نہ ہو اور یہ میری جیت ہو گی۔ انشاء اللہ

ایک اور اعلیٰ اور ارفع شہادت اس بارے میں نوٹ کریں۔ کہ یہ سوال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی پیش ہوا تھا۔ اور آپ سے پوچھا بھی گیا تھا۔ کہ کیا ایک ہی مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دینا ایک ہی طلاق سمجھی جائے تو آپ نے فرمایا تھا

یہ ایک ہی طلاق ہے

مثال کے طور پر کچھ واقعات بھی سامنے لے آؤں تو سہولت ہو گی۔ سو تمہاری سہولت کے لئے ایک مثال درج ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ آپ یوں فرماتے ہیں کہ

"ایک دفعہ ایک شخص رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دیں۔ اس کے بعد رکانہ کو اپنے اس فعل پر شدید صدمہ محسوس ہوا۔ جب یہ معاملہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنی بیوی کو کس طرح طلاق دی تھی؟ اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دیں۔ آپ نے فرمایا یہ ایک ہی طلاق ہے۔ اس لئے تم رجوع کر لو۔"

(تفسیر کبیر سورۃ البقرہ ص۵۱۸)

پہلی سہولت

سو بیٹے! بظاہر دیکھنے میں یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رجوع کا حق مردوں کو دیا یعنی دوسرے معنوں میں سوچ و بچار کا وقت بھی دیا ہے اور قوام ہونے کی سعادت بھی انہیں کے کھاتے میں ڈال دی ہے۔ اس لئے تم خوش ہو رہے ہو۔ مگر یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ بھی فرمایا ہے کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ ۔ یعنی انسانی حقوق کا جہاں تک سوال ہے۔ عورتوں کو بھی ویسا ہی حق حاصل ہے جیسے مردوں کو۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کو جس طرح یکساں احکامات دیئے ہیں۔ اسی طرح انعامات بھی یکساں ہی تقسیم کئے ہیں اور شریک کار بنایا ہے۔ جن نعماء کے مرد مستحق ہیں اسلامی تعلیم کے مطابق قیامت کے دن وہی انعامات عورتوں کو بھی ملیں گے۔ نہ اس دنیا میں اور نہ اس جہاں میں عورتوں کی حق تلفی اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی نہیں کی اس لئے یہ رجوع کا حق مرد کے لئے ایک سہولت ضرور ہے مگر اس سہولت نے عورت کا شیرازہ بکھرنے سے بچا لیا ہے اور اس سہولتِ سوچ و بچار میں عورت کو یہ انعام ہے کہ وہ ٹوٹ پھوٹ سے بچ گئی ہے ورنہ طلاق ایک پہاڑ ہے جو عورت کے سر پر جب بھی گرتا ہے تو اُسے پیس کر رکھ دیتا ہے۔

دوسری سہولت

مردوں کے لئے دوسری سہولت خدا تعالیٰ نے یہ بھی رکھی ہے۔ کہ عورت تین طہر تک عدت میں رہے۔

یاد رہے کہ عدت طلاق کی ۳ ماہ ۱۰ دن ہے۔ یعنی مرد اس اثناء میں سوچ و بچار کرے اور عورت کا شیرازہ نہ بکھرے۔

تیسری سہولت

پھر اللہ تعالیٰ نے رفق کا ایک پہلو اور ظاہر فرمایا۔ فرماتا ہے کہ:-

"اے عورتو!! اگر تم اس حال میں ہو کہ کوئی اور جان تمہارے ساتھ مصائب میں داخل ہو جائے گی۔ تو تم ضرور بضرور اپنے خاوند کو صورت حال سے آگاہ کر دو۔ یعنی اگر حاملہ ہو تو مرد کو بتا دو۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ اگر عورت حاملہ ہو تو اُس کی وجہ سے آپس میں محبت قائم ہو جاتی ہے۔ اور میاں بیوی میں صلح کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آنے والے وجود پر رحمت کی۔ مبادا نووارد وجود دنیا میں آتے ہی مصائب میں مبتلا ہو جائے۔

سہیل! اس نووارد وجود والی سہولت پر تم ضرور چونکے ہو گے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے یہ جو سہولت سوچ و بچار کی مرد کو دی ہے۔ اس کے باوجود آج کا مرد یعنی تمہاری عمر کا خادم بہت آگے نکل گیا ہوا ہے۔ اور اب نوزائیدہ کی محبت بھی اُس کے قدموں میں زنجیر نہیں ڈال سکتی۔ کیونکہ تمہاری عمر کے لوگوں نے تو بہت سے خیالات اتنے فرسودہ کر دیئے ہیں۔ کہ مستحسن روایات و اقدار نے بھی دم توڑ دیا ہے۔ یہی نوزائیدہ بچے کا بندھن تمہاری بہن نائلہ کے شیرازہ کو نہ باندھ سکا حالانکہ یہی مہلت سوچ و بچار اور رجوع کی خدا تعالیٰ نے تمہارے بہنوئی کو بھی مہیا کی تھی۔ مگر آج کا منہ زور مرد قاعدہ قانون کا مرہون منت ہی نہیں رہا۔ تمہیں وہ دن تو یاد ہو گا جس دن تمہاری اپنی سگی بہن نائلہ کے گھر پریشانی نے ہلہ بول دیا تھا ذرا ایک لمحہ کے لئے اس دن کو اپنے سامنے لاؤ۔ تم کتنے سخت اضطراب میں تھے۔ آج تم آبدیدہ تھے۔ اور غصہ و غضب میں کسی چیتے سے کم نہ تھے۔ یاد آیا تمہیں؟ وجہ یہی تھی نا کہ کسی تمہارے ایسے

لاپرواہ شوہر نے زیادتی کی تھی۔ سہولت سے فائدہ نہیں اُٹھایا تھا۔ اور زیادتی چونکہ تمہاری آپاجان محترمہ سے ہوئی تھی اس لئے تم سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے۔ مجھے بھی یہی دُکھ تھا کہ تمہارے بھائی جان نے نہایت ظالمانہ حرکت کی ہے اور بے وقت کی ہے۔ کسی بھی طریق کار کو مدّنظر نہیں رکھا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ لوہے گرم پر چوٹ ماروں مگر یہ نہ سوچا کہ یہ لوہا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی ایک حسین مخلوق ہے جس میں خدا تعالیٰ کا گھر ہے۔ اور حد تو یہ ہے کہ تمہاری آپاجان سے ان کا کوئی جھگڑا بھی نہ تھا۔ محض اور محض وہ نمود و نمائش اور راتوں رات دولتمند بننے کے چکر میں الیسا کر بیٹھے۔ اور یہ تک نہ سوچا کہ جس دولت کے پیچھے خدا تعالیٰ کی عطا کردہ دولت و نعمت وہ چھوڑ رہے ہیں۔ وہ محض ہاتھوں کی میل ہے۔ اور کسی کی باندی نہیں۔ آج اگر وہ تیرے در و دیوار پر ہے تو کل میرے در و دیوار پر ہوگی۔ نشۂ دولت و ثروت میں اُس نے ایک اولاد والی عورت یعنی تمہاری آپاجان کو چھوڑ کر چند لفظوں میں یہ منحوس خبر تمہارے گھر پہنچا دی۔ گو یہ واقعات تو تمام تر تمہارے علم میں پہلے سے ہی ہیں۔ مَیں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں۔ کہ حرکت آخر کِس سے سرزد ہوئی؟ **وہ کون تھا؟** بتائیں تو سہی وہ کون تھا جس نے یہ خاموش قتل خاموشی سے کر دیا۔ عزیزم یہ بھیانک فعل جس کا نتیجہ خاموش قتل تھا ایک ایسے مرد سے انجام پایا جو شُہرت کا بھوکا تھا۔ قناعت سے دشمنی رکھتا تھا اور رنگینیٔ زمانہ کا دلدادہ تھا۔ یاد رہے یہ وہی تھا جس نے محبوبات کی فہرست طویل کر لی تھی۔

اور اگر

وہ قناعت کی صفت سے متصف ہوتا۔ تو شاید تصویر کا رُخ کچھ دوسرا ہی ہوتا۔ مگر تصویر نے یہ بھیانک رُخ کیوں اختیار کیا۔ اس کا جواب یہی ہے کہ جب کوئی انسان قانع نہیں ہوتا تو کبھی اور کہیں بھی ٹھہرتا نہیں۔ ہر لمحہ اسکی کوشش دولت کی دوڑ میں آگے

سے آگے نکل جانے کی ہوتی ہے۔ حتّٰی کہ لالچ میں وہ ایک ایسے مقام پر چلا جاتا ہے۔ جہاں سے پیچھے مڑنے کا راستہ نہیں ہوتا۔ پس جب پیچھے جانے کا راستہ نہ ملے تو آدمی کیا کرے گا؟ سوائے اس کے.........!!!

کیونکہ ٹھہرنے کا وہ عادی نہیں ہے اور اپنے پیچھے والے سب دروازے وہ بند کر آیا ہے۔ حتّٰی کہ اپنی اولاد پر بھی دروازہ مقفل کر آیا ہے۔ پس ایسے بدنصیب کے لئے کیا کہیں؟ سوائے اس کے کہ اُس بدنصیب ماں کے لئے یہ کلمہ کہنا پڑتا ہے

واۓ نادانی متاعِ کارواں جاتا رہا ؎
کارواں کے ساتھ احساسِ زیاں جاتا رہا

کیونکہ یہ ماں کی تربیت اور اس کے ذاتی لالچ۔ دکھاوا۔ خود غرضی اور تکبّر کا مکسچر تھا جو بیٹے کی صورت میں سامنے آیا اور امر واقع یہ ہوا کہ وہ ایک اچھا شوہر ثابت ہُوا نہ اچھا محبت کرنے والا باپ بن سکا۔ اور یہ تمام کا تمام جذبۂ قناعت کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ جس کے متعلق قدرتِ ثانیہ کے چوتھے مظہر مرزا طاہر احمد نے خدا تعالیٰ انہیں لمبی کام والی عمر عطا کرے۔ کیا خوب جامع فرمایا ہے۔..... فرماتے ہیں:۔

"قناعت

بظاہر تو اس رجحان کا نام ہے کہ جو کچھ ہے انسان اسی پر راضی ہو جائے لیکن درحقیقت یہ مضمون یہیں ختم نہیں ہوتا۔ جس کو خدا پر کامل ایمان نہیں اور جو رضائے باری تعالیٰ کی خاطر اپنی زندگی گذارنا نہیں جانتا اُسے قناعت نصیب ہو ہی نہیں سکتی.........."

پھر حضور قناعت کے اسلامی تصوّر کو اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اسلام میں قناعت کا مضمون خدا تعالیٰ کی محبت سے گہرا تعلق رکھتا ہے وہ مومن جو خدا کو رازق سمجھتا ہے وہ جانتا ہے کہ خدا نے تقدیریں بنائی ہیں

اور خُدا نے جو کچھ دیا اس کو ہم زور بازو سے پھیلا کر بڑھا نہیں سکتے اگر وہ دینا نہ چاہے۔ اس مضمون کو اگر انسان سمجھ لے تو خدا نے جتنا بھی دیا ہے اس پر کسی حالت میں بھی ناراض نہیں ہو سکتا......"

مزید فرماتے ہیں:۔

"اگر اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے چل کر اس کو ہر قیمت پر پُورا کرنے کے لئے آپ اپنی وسعتیں بڑھانے کی کوشش کریں گے تو ممکن ہے کہ آپ اپنے نفس کو کسی بھی مقام پر مطمئن کر سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ انسان کا تو یہ حال ہے کہ اسکی خواہشات ہمیشہ اس کے آگے آگے بھاگتی ہیں اور اسکی زندگی اپنی خواہشات سے بہت ہی چھوٹی ہے......"

پھر حضور خبردار کرتے ہیں کہ:۔

"دنیا میں کسی ایسے شخص کی ضمانت نہ دیں جو قانع نہیں ہے کیونکہ جو قانع نہیں ہے اس کے اُوپر کوئی حد قائم نہیں کی جا سکتی وہ اپنی ہوا کی پیروی کرے گا اور آپ کی تمام توقعات کو توڑ دے گا......"

سہیل بیٹا! اب آخر میں ذرا اپنی خواہشات کے پیچھے بھاگنے والے شخص کے انجام کے متعلق بھی حضور کا ارشاد سُن لو۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"قناعت کا فقدان لازماً اُس کو شرک کی طرف لے کر جائے گا۔ اور غربت کی طرف لے کر جائے گا........."

بابِ ششم

"فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِکُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا۔"

محترمہ نائلہ صاحبہ کی علیحدگی کی اذیت سے تو تم خوب واقف ہو میں نے تمہارے زخموں کو نہیں کریدا بلکہ صرف تمہیں توجہ دلائی ہے کہ دوسری بیبیاں بھی کسی کی بہنیں ہوتی ہیں۔ اُن کے احساسات بھی اسی طرح مجروح ہوتے ہیں اور وہ بھی ایسی اذیت میں گرفتار ہوتے ہیں جس کا تمہیں واسطہ پڑا تھا۔ اس لئے واللہ طلاق کی سی تکلیف دہ صورت پیدا نہ ہونے دیا کرو۔ کیونکہ یہ اُداسی اور اضطراب کا ایسا سانحہ ہوتا ہے کہ اس کے خیال سے ہی سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان حال ہو گئے تھے۔ صحابہ کرام روئے تھے اور حضرت عمرؓ ماہی بے آب کی طرح درِ محبوب کے چکر کاٹ رہے تھے حالانکہ یہ واقعہ پیش آیا نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اظہار تنبیہ تھا۔

عزیزم! اصل میں یہ چیز ہی دُکھی حروف سے مل کر بنی ہے اور دکھ کی نشانی ہے۔ میں نے گذشتہ باب میں طلاق کا طریق کار بتایا تھا کہ کس طرح طلاق شرعی اور جائز ہو سکتی ہے اور کس طرح مرد اپنے حق طلاق کو استعمال کر سکتا ہے۔ طلاق کے بعد دو۲ دفعہ عدت گزارنے کے بعد تیسری دفعہ رجوع کا حق جب اسلام نے ختم کر دیا تو عورت کی اُس اذیت کو محسوس کرتے ہُوئے فوراً مردوں کو حکم دیا کہ اب تم اپنا حق استعمال کر چکے ہو۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ اسلام کی بتائی ہوئی GUIDE-LINE پر چلو تاکہ تمہاری زندگی دوسروں کے لئے نمونہ بنے اور اے فرزندِ اسلام!

تمہارے لئے یہی طلاق کے معاملہ میں سنگِ میل ہیں۔ کیونکہ عموماً مرد ناچاقیوں اور رنجشوں کے بعد جب قدم اٹھاتا ہے تو نفرت کا ایک سمندر اُس کے دل میں جگہ بنا لیتا ہے۔ وہ اس سمندر میں بیوی کو غرق کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش میں سرگرداں رہتا ہے۔ کبھی وہ اُس کو اذیت دیتا ہے۔ کبھی طلاق کی دھمکی دیتا ہے اور کبھی صبح ہی اُس کی فساد و جھگڑے کے ناشتہ سے شروع ہوتی ہے۔ بے شک یہ بات مانی ہوئی ہے کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے اور ضرور یہی حقیقت ہے گو اکثر واقعات ایسے رونما ہوتے ہیں۔ کہ عورت نے بے کار ضدوں پر اپنی آسائشوں کی زندگی کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ بلکہ دیکھا جائے کہ ایسے عقل مند مرد کو مخبوط الحواس شخص میں تبدیل کر دیا ہے۔ صرف اور صرف اس لئے کہ وہ (بیوی) خود اُس کو سمجھ نہیں سکی۔ اور خاوند کی زندگی کو جہنم بنا کر رکھ دیا ہے۔ ادھر بچوں کی محبت اور خاندانی روایات نے مرد کے گرد حصار قائم کر دیا ہے۔ نہ وہ چھوڑ سکتا ہے نہ حصار توڑ سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ معاشرہ کا ایک ناکام فرد بن جاتا ہے۔ جس کے پیچھے صرف اور صرف بیوی کی نااہلی کارفرما ہوتی ہے۔ مگر یہ وقوعہ شاذ ہی ہوتا ہے۔ اور ایسے وقوعہ کو طلاق کی شرح میں ۱/۲ ۱۲ فی صد مقام دیا جائے گا۔ اگر تمام واقعات دیکھے جائیں تو لامحالہ میاں کی زیادتی۔ بداخلاقی۔ درشتی اور نامعاملہ فہمی کی بناء پر وقوع پذیر ہوئے ہیں۔

پس اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے ان واقعات میں مردوں کو ہی اور صرف مردوں کو ہی احکاماتِ تاکیدی دیئے ہیں۔ اور انہیں واضح ہدایت کی ہے کہ "اے مسلمانو یا تو انہیں مناسب روک لو۔ یعنی جب دوسری طلاق کے بعد عدت ختم ہونے لگے تو تمہیں رجوع کا اختیار ہے۔ تم انہیں روک لو اور مفاہمت کے دروازے کھول دو۔ مگر یہ یاد رہے کہ عورتوں پر جو خدا تعالیٰ نے مردوں کو فوقیت دی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اُن سے ناجائز فائدہ اُٹھاؤ اور اُن کے حقوق کو پامال کرو۔ یہ کہ جب چاہو

رجوع کر لو اور جب چاہو **معلقہ** چھوڑ دو۔ یہ سراسر ناانصافی ہے۔ اور اپنی فوقیت کا ناجائز استعمال ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پس خدا تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اگر تم تیسری بار رجوع کرنا ہی چاہتے ہو تو احسن طریق سے بساؤ۔ اور معروف نمونے سے گھر میں رہنے دو۔ کیونکہ اس کے بعد رجوع کے تمام راستے قطعی طور پر ختم اور مسدود ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ دوسرے کی بیوی بن جائے۔ اور بدنصیب بیوی وہاں سے بھی اگر انہیں راہوں سے گزر کر طلاق یافتہ ہو جائے تو اب تم پر جائز ہے کہ نکاح کر لو۔

مگر ہاں! سوچو تو سہی وہ شخص کیسا نکما ہو گا جو خواہ مخواہ اتنے لمبے "PROCESS" میں سے گزر کر اپنی ہی ملکیت کو غصہ و نفرت کی بناء پر دوسرے کی ملکیت بننے دے۔ پھر جب بدنصیبی وہاں بھی اُس کا پیچھا کرے تو پھر واپس اپنا لے۔ آخر کیوں؟ پہلے کیا ہوا تھا؟ آخر کیا عیب تھا جو چھوڑی گئی تھی۔ اور اب کیا خوبی حاصل ہوئی ہے جو دوبارہ اپنائی جا رہی ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہر قدم اُٹھانے سے پہلے انسان ہزار غور کرے۔ اگر خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ حدوں کو قائم رکھ سکے تو زیادہ الجھنیں نہ ہوں یہ ایسے دھاگے ہیں کہ اگر ایک دفعہ اُلجھ گئے تو سلجھیں گے نہیں بلکہ سرا کہیں سے بھی ہاتھ میں نہیں آئے گا۔ اور ٹوٹ کر شیرازہ بکھر جائے گا۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ

ان عورتوں کو اپنے گھروں میں تیسری بار رجوع کر کے بسالو
یا معروف نمونے سے رخصت کر دو۔

یعنی اے مسلمانو!!

تمہارے حق طلاق استعمال کرنے کے بعد صرف دو ہی قسم کے سلوک کا حکم ہے۔ پہلا طریق احسن رنگ میں گھر میں بسانے کا اختیار کر لو۔ یہ آبادی اور راحت کا موجب

ہوگا۔ کیونکہ میاں بیوی آرام و سکینت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ رشتے باہم مؤدت و رحمت کا موجب ہوتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ان رشتوں کو اذیت اور انتہائی دکھ کا موجب بنا لیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں شوہر طلاق کا نسخہ اپنا کر بیوی کو نیک نیتی سے رخصت کر دے۔ نیک نیتی کے لفظ پر زور اسلئے دیا ہے کہ رخصت کے معاملہ میں بدنیّتی ہوتی آئی ہے اور ذہنی و جسمانی اذیت عورت کو ملتی رہی ہے مثلاً تاریخ اسلام سے ایک ایسا واقعہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کی بناء پر خاوند طلاق کے طریق کار کو غلط استعمال کر کے اذیت دینے کی کوشش کرتا رہا۔ ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شکایت آئی تھی کہ ایک خاوند نے اپنی بیوی سے کہا۔ "نہ مَیں تجھے طلاق دوں گا۔ نہ اپنے گھر بساؤں گا"۔ عورت نے پوچھا یہ کس طرح اس نے کہا کہ تجھے طلاق دوں گا اور جب تیسری عدت ختم ہونے کے قریب پہنچے گی تو مَیں رجوع کر لوں گا۔ اگلی دفعہ پھر ایسا ہی کروں گا۔ اور پھر رجوع کر لوں گا۔ اس طرح نہ تجھے بساؤں گا نہ تجھے علیحدہ کروں گا۔ وہ عورت رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس واقعہ کا آپؐ سے ذکر کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ناچیز بندیوں کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ "الطلاق مرّتٰن"۔ یعنی وہ طلاق جس میں مرد کو رجوع کا حق حاصل ہے صرف دو دفعہ ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ (ابن کثیر)۔

پس تیسری طلاق یہی ہے کہ اُسے معروف طریقے سے رخصت کرو اور اُس سے کوئی سامان جو دے چکے ہو۔ ہرگز ہرگز وصول نہ کرو۔ خواہ وہ سونے کا پہاڑ ہی کیوں نہ ہو۔

عزیزم اس سارے طریق کار کو بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیّہ کے مستند جامع چند جملوں میں بیان کرتی ہوں۔ تاکہ وضاحت مکمل ہو جائے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"اگر تین طلاق ایک ہی وقت میں دی گئی ہیں تو اِس خاوند کو یہ فائدہ

دیا گیا ہے کہ وہ عدت کے گزرنے کے بعد اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ طلاق ناجائز طلاق تھی۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمان کے مطابق نہ دی گئی تھی۔ دراصل قرآن مجید میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ امر نہایت ناگوار ہے کہ پرانے تعلقات والے خاوند اور بیوی آپس کے تعلقات کو چھوڑ کر الگ الگ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے طلاق کے واسطے بڑے بڑے شرائط لگائے ہیں۔ وقفہ کے بعد تین طلاق دینا اور اُن کا ایک ہی جگہ رہنا وغیرہ یہ امور سب اس واسطے ہیں کہ شاید کسی وقت اُن کے دلی رنج دُور ہو کر آپس میں صلح ہو جائے ....

خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ یعنی دو دفعہ طلاق ہونے کے بعد یا اُسے اچھی طرح سے رکھ لیا جائے یا احسان سے جدا کر دیا جائے۔ اگر اتنے لمبے عرصہ میں بھی صلح نہیں ہوئی تو پھر ممکن نہیں کہ وہ اصلاح پذیر ہو"۔

(چشمۂ معرفت ص۲۷۵)

یاد رہے کہ یہاں TIME FACTOR نے بھی ایک کردار ادا کیا ہے اُسے ضرور مدّنظر رکھا جائے گا۔

ایک بات دورانِ گفتگو میں بیان کرنا بھول گئی۔ طوالت اگر تم پر گراں نہ ہو تو یہ بات بھی سُنتے چلیں۔ صورت حال یہ ہے کہ خداوند عالم نے جسمانی بیماری کی صورت میں مرد کو یہ اجازت دی ہے۔ کہ وہ ان بیماریوں کو جان لینے کے بعد جو شادی سے پہلے اس شوہر کے علم میں نہیں تھیں۔ بحالتِ مجبوری طلاق کا حق استعمال کرے۔ ایسی صورت میں رحم و رفق کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کیونکہ بیماری خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک تکلیف ہے جس میں عورت مبتلا تھی۔ چونکہ وہ خوشگوار زندگی نہیں گزار سکتے۔ اسلئے لازم ہے کہ علیحدہ

ہو جائیں۔ اور اس حق علیحدگی کا یہی فائدہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ خواہ مخواہ زندگی کھنچتے کھنچتے بسر نہ کریں۔ بلکہ خاوند مہر ادا کر کے احسن طریق پر اُسے الگ کر دے اور مناسب سہولتیں مجوزہ قرآن مجید اُسے ضرور بہم پہنچائے۔

(۱) کسی گھر میں اگر کچھ عرصہ رہنے کی ضرورت ہے تو رہنے دیا جائے۔

(۲) اخراجات ضروری علاج معالجہ کے لئے انسانی ہمدردی کے ماتحت ضرور دیئے جائیں۔

(۳) جو کچھ بطور تحائف دیا ہوا ہے اُس کے پاس رہنے دیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

کتنا احسن ہو کہ اُسے جسمانی ناداری کے ساتھ مالی ناداری کا احساس نہ ہونے دیا جائے۔ کیونکہ حسن و احسان اخلاقی بلندی کا ایک زینہ ہے۔ احسان و مروّت کے لئے ہر لمحہ خداتعالیٰ نے مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے۔ امن جنگ شادی بیاہ طلاق و خلع میں جب بھی آپ وجہِ تخلیق کائنات حضرت محمد مصطفٰےؐ کے اسوہ کو دیکھیں گے احسان و بخشش کے بے مثال نمونے پائیں گے۔ بیشک آپ محبت و مودّت میں یکتا تھے۔ اور اب آپ بھی حسن و احسان میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اپنا کر ہی عباد الرحمٰن بن سکتے ہیں۔ وہ محسنِ انسانیت ہمیں بھی احسان کرنے کا ڈھنگ سکھلا گئے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

ایک نمونہ احسان کا پیش کرتی ہوں۔

"ایک دفعہ فتح مکّہ کے بعد کندہ قبیلہ کی ایک عورت جس کا اسماء یا امیمہ نام تھا اور وہ جونیہ یا بنت الجون کہلاتی تھیں اس کا بھائی لقمان حضرت رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے بطور وفد حاضر ہوا اور اس موقعہ پر اس نے یہ خواہش بھی کی کہ اپنی ہمشیرہ کی

شادی رسول خُدا سے کر دے اور بالمشافہ رسولؐ اکرم سے درخواست بھی کی۔ کہ میری بہن جو پہلے ایک رشتہ دار سے بیاہی ہوئی تھی۔ اب بیوہ ہے۔ نہایت خوبصورت ہے اور لائق بھی ہے۔ آپؐ اُس سے شادی کر لیں۔ رسُول خُداؐ کو چونکہ قبائل عرب کا اتحاد منظور تھا۔ آپؐ نے اُس کی یہ دعوت منظور کر لی اور فرمایا کہ ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی پر نکاح پڑھا جاوے۔ اُس نے کہا یا رسُولؐ اللہ ہم معزز لوگ ہیں۔ مہر تھوڑا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس سے زیادہ مَیں نے اپنی کسی بیوی یا لڑکی کا مہر نہیں باندھا۔ جب اُس نے رضامندی کا اظہار کر دیا تو نکاح پڑھا گیا اور اُس نے رسُول خُدا سے درخواست کی کہ کسی آدمی کو بھیج کر اپنی بیوی منگوا لیجئے۔ آپؐ نے ابو اسیّد کو اس کام پر مقرر کیا۔ جب وہ لینے گئے۔ جونیہ نے اُن کو اپنے گھر بلایا تو انہوں نے کہا کہ رسُولؐ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں پر حجاب نازل ہو چکا ہے۔ اس پر اُس نے دوسری ہدایات دریافت کیں۔ جو آپ نے بتا دیں۔ اور اونٹ پر مدینہ لے آئے ایک مکان میں جس کے گرد کھجوروں کے درخت تھے لا کر اتارا اُس کے ساتھ اُس کی دایا بھی تھی۔ جو رشتہ داروں نے روانہ کی تھی۔ جس طرح ہمارے ملک میں ایک بے تکلّف نوکرانی ساتھ جاتی ہے۔ تاکہ اُسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ چونکہ یہ عورت حسین مشہور تھی اور یوں بھی عورتوں کو دلہن دیکھنے کا بے حد شوق ہوتا تھا۔ مدینہ کی عورتیں اس کو دیکھنے گئیں اور اُس عورت کے بیان کے مطابق کسی عورت نے اُسے سکھلا دیا کہ رعب پہلے دن ہی ڈالا جاتا ہے۔ جب رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم تیرے پاس آئیں۔ تو کہہ دیجیو کہ مَیں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس پر وہ تیرے

زیادہ گرویدہ ہو جائیں گے۔ اگر یہ بات اس عورت کی بنائی ہوئی نہیں تو
کچھ تعجب نہیں کہ کسی منافق نے اپنی یا کسی رشتہ دار کے ذریعے یہ شرارت
کی ہو۔ غرض جب اُس کی آمد کی اطلاع رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو
آپ اُس گھر کی طرف تشریف لے گئے۔ جو اُس کے لئے مقرر تھا۔ اور آپؐ
داخل ہوئے تو آپؐ نے اُسے فرمایا کہ تو اپنا نفس مجھے ہبہ کر دے۔ اُس نے
جواب دیا کہ کیا ملکہ بھی اپنے آپ کو عام آدمیوں کے سپرد کرتی ہے؟ ابو سیّد
کہتے ہیں کہ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ اجنبیّت
کی وجہ سے گھبرا رہی ہے تسلّی دینے کے لئے اس پر اپنا ہاتھ رکھا۔ آپؐ
نے اپنا ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اُس نے یہ نہایت گندہ اور نامعقول فقرہ
کہہ دیا کہ مَیں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ چونکہ نبی خدا کا نام سُن کر
ادب کی رُوح سے بھر جاتا ہے اور اُس کی عظمت کا متوالا ہوتا ہے اس
کے اس فقرہ پر آپ نے فوراً فرمایا۔ کہ تُو نے ایک بڑی ہستی کا واسطہ
دیا ہے اور اس کی پناہ مانگی ہے جو بڑا پناہ دینے والا ہے۔ اسلئے
مَیں تیری درخواست قبول کرتا ہوں۔

چنانچہ آپ اُسی وقت باہر تشریف لے آئے۔ اور فرمایا۔ اے
ابا سیّد اسے دو چادریں دے دو۔ اور اس کے گھر والوں کے پاس
پہنچا دو۔ چنانچہ اس کے بعد اُس کے مہر کے حصّے کے علاوہ بطور احسان
دو رازقی چادریں دینے کا آپ نے حکم دیا۔"

(سورۃ البقرہ تفسیر کبیر ص ۵۸۳)

اس صورت میں مہر کی ادائیگی + احسان + رخصت بمعروف نمونہ یہ وہ تمام
مراعات تھیں جن کو عطا کر کے سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثالی

نمونہ ہمیں عطا کیا۔ چونکہ نمونہ ہر حال میں انسان کی زندگی وطرز زندگی آسان کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ
انسان کسی نمونہ پر باحسن عمل پیرا ہو۔ انسان تو کیا تمام دنیا ہی نمونے کی محتاج ہے۔
اور ساری دنیا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ایک برادری کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اسلئے
ایک دوسرے کے نمونے کی اشد ضرورت ہے۔ باقی نمونہ اپنی جگہ اچھا بھی ہوتا ہے بُرا
بھی ہوا کرتا ہے۔ مگر نیک اور تقویٰ شعار لوگ نمونے کے لئے اُسے ہی دیکھتے ہیں جو
تقویٰ میں افضل اور کامل ہو۔ ہمارے پاس سرور کائنات وجہ تخلیق دو جہاں کا کامل
نمونہ ہماری خوش نصیبی کی علامت ہے۔ اور اگر ہم ہر شعبۂ زندگی میں استعمال کر کے تقلید
کریں تو اپنی جنّت دنیا میں ہی پا سکتے ہیں۔

اس وقت

بات یہ ہو رہی تھی کہ جب ہم کوشش کرتے ہیں۔ کہ اپنی زندگی کے لائحہ عمل کو مرتب کرتے وقت
صبح و شام لمحہ لمحہ اُس بے نظیر وجود کو دیکھیں جس نے زندگی کو بے نقاب کر کے اور روز
روشن کی طرح سجا کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ کیا شادی بیاہ۔ کیا مراعات طلاق و
خلع۔ کیا محکومیّت وحکومت اور کیا فتح و شکست غرض عہد و پیماں کا کوئی باب بھی
نمونہ کی تشنگی لئے ہوئے نظر نہیں آئے گا۔ پس کیا وجہ ہے کہ اس **دکھی باب** یعنی
طلاق و خلع کے لئے آپؐ کے اسوہ حسنہ کو نہ اپنائیں۔ اور بیویوں کے لئے خیر و برکت کا
موجب نہ بنیں۔ اُن سے مودّت میں وہ مقام پیدا کریں کہ جدائی ان پر شاق گزرے
اور اگر بوجہ بیماری و لاچاری علیٰحدگی مقدّر ہو ہی جائے تو میٹھی یاد ساتھ دے کر
اُنہیں رخصت کریں کیونکہ میٹھی یادیں دیرپا ہوتی ہیں۔ اور تلخ یادیں ایک موت ہوا کرتی
ہیں جو زندہ انسان کو بِن موت مار دیتی ہیں۔

پس دُعا ہے کہ خدا تعالیٰ مردوں کو اپنے فضلوں سے اتنی توفیق ضرور دے کہ وہ
اسوہ حسنہ پر چلیں اور عورتوں کے لئے اُن کے دل اس قدر نرم کر دے کہ مودّت و

رافت میں ان کا مقام مثالی ہو۔ آمین

سہیل! تمہیں یاد ہے کہ کس طرح رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے روز آخری لمحات میں فرمایا تھا۔ کہ

" اے میری رفیقو! میری بیویوں! اِنَّ اَھَمَّ شَیْءٍ عِنْدِیْ اَمْرُکُنَّ۔ یعنی مجھے اپنے بعد سب سے زیادہ فکر تمہارا ہے کہ تمہاری خدمت کون کرے گا؟

پھر فرمایا:۔

وَلَنْ یَّصْبِرَ عَلَیْکُنَّ اِلَّا الصّٰدِقُوْنَ۔ یعنی تمہاری خدمت میرے بعد میرے سچے تابعدار اور مومن ضرور بضرور کریں گے۔ انشاء اللہ۔

(انسانِ کامل[۴] ص۳۳)

لَیْسَ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور مراعات کا تعلق دُعا کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ خداتعالیٰ ہر خادمِ دین کو رسُول خدا صلّی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہُوئے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک بات اللہ تعالیٰ کی مراعات کے سلسلے میں یہ بھی سُنتے جاؤ کہ خداتعالیٰ نے طلاق کی وجہ نہ بیان کرنے کی بھی آزادی دے رکھی ہے۔ مرد کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے اس ناپسندیدہ حق کو استعمال کر کے نشتر نہ کرے کہ کن وجوہات کی بناء پر یہ قدم اُٹھایا گیا ہے پس طلاق دیتے وقت یہ ضروری نہیں کہ طلاق کی کوئی وجہ بیان کرے۔ شریعت نے وجہ بیان نہ کرنے کی جو آزادی دی ہے اس میں عظیم مصلحتیں ہیں۔ کیونکہ شارع کا منشاء یہ ہے کہ طلاق اگر ناگزیر ہی ہو جائے تو ناچاقی کی وجوہات کو منظرِ عام پر لائے بغیر ہی طلاق دے دی جائے۔ تاکہ عورت کے مزعومہ نقائص یا کمزوریوں کا چرچا نہ ہو۔ سُبحان اللہ عورت پر کیسی اعلیٰ درجہ کی شفقت فرمائی ہے۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

باب ہفتم

مہر

عزیز بیٹے! چونکہ طلاق کا مہر سے ایک لازمی تعلق ہے۔ اس لئے مہر کا تفصیلی خاکہ بھی درج کر دوں گی۔ مگر پیشتر اس کے کہ مہر پہ کچھ تحریر کروں بہتر ہوگا کہ خلع کے متعلق بھی کچھ بات کر لیں۔ کیونکہ مہر کا تعلق خلع سے بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ طلاق سے ہے۔ لہٰذا بہتر ہوگا کہ خلع کیا ہے یہ جان لیں۔

خلع

خلع کے متعلق ضمناً کچھ لکھنا اس لئے ضروری ہے کہ آنے والے باب کی تمہید تمہارے لئے اُسے واضح کر دے۔ سہیل تم جانتے ہو کہ جہاں طلاق اُس بیزاری کا نام ہے جو مرد میں پیدا ہوئی اور اُس نے عورت کو علیحدہ کر دیا۔ وہاں خلع اُس بیزاری کا نام ہے جو عورت میں پیدا ہوتی ہے اور وہ درخواست گزار ہوتی ہے کہ مَیں علیحدہ ہونا چاہتی ہوں۔ وہ قاضی کے پاس جاتی ہے اور اپنا حق مانگتی ہے۔ ویسے یہ دونوں اقدام طلاق و خلع باہم علیحدگی کا ہی نام ہے۔

- مرد طلاق دیتا ہے۔
- عورت خلع مانگتی ہے۔

پس یہ دینے اور مانگنے کا فرق ہے۔

(۱) البتہ اس میں یہ بھی فرق ضرور ہے کہ حقِ طلاق کو استعمال کرنے میں مرد کو کچھ مہلت دینی

پڑے گی اور عورت کو عدت گزارنی پڑے گی جو تین طہر ہوگی۔ مگر خلع منظور ہونے کے بعد کسی عدت کا انتظار درکار نہیں۔ ہاں وقت دوسری صورت میں زیادہ ہی انتظار میں گزارہ جاتا ہے۔ تاہم دونوں شکلیں قبیح اور البغض الحلال ہیں خواہ کوئی سی شکل دے لیں۔

خلع میں بھی یہ لازم نہیں کہ عورت تمام وجوہات بیان کرے کہ وہ ایسا قدم کیوں اُٹھا رہی ہے۔ تاہم قاضی کے پاس وزنی دلائل پیش کرنے ہوں گے جیسے کہ فرمایا:۔

"خلع کے فیصلے کے لئے قاضی کا صرف اس قدر اطمینان کافی ہے کہ عورت اپنی آزادانہ رائے سے خلع چاہتی ہے۔ خلع کے مطالبہ کے لئے کسی اور وجہ کا اظہار یا ثبوت لازمی نہ ہوگا۔"

(فقہ احمدیہ حنفیہ ص ۹۲)

یہاں ایک سوال ذہن میں اُٹھتا ہے کہ آخر عورت کو اپنا حق مانگنے کے لئے قضا میں کیوں جانا پڑا۔ جبکہ مرد نے بیک وقت طلاق کا لفظ تین بار استعمال کر کے اپنے حق کا استعمال کر لیا۔ گو یہ طلاق صحت کے لحاظ سے غلط ہے مگر مرد کر گزرا۔ غیر صحیح طلاق کے لئے بھی وہ کسی اعانت کا طلب گار نہیں ہوتا۔ آخر ایسا کیوں؟

اس میں حکمت یہ ہے کہ عورت بعض اوقات اپنی ناسمجھی یا ناتجربہ کاری کی وجہ سے غلط بنیاد پر خلع کے لئے اصرار کر رہی ہوتی ہے۔ جب معاملہ قاضی کے سامنے آئے گا تو قاضی کو اُسے سمجھانے یا صورتِ حال واضح کرنے کا موقع میسر آسکتا ہے۔ اور اس بات کا بڑی حد تک امکان ہے کہ عورت سمجھ جائے۔ اور علیحدگی تک نوبت نہ پہنچے۔ دوسرے مالی منفعت یا حق مہر واپس کرنے ہوں گے۔ جو وہ اپنے میاں سے حاصل کر چکی ہے تو اغلباً وہ مالی مفادات چھوڑنے پر رضامند نہ ہوگی اور سمجھوتہ کرے گی۔ یاد رہے کہ اسلام جوڑنا چاہتا ہے خواہ مال، وقت، محبت، قربانی سب

درکار ہوں۔ اور صرف کئے جائیں۔ پس تمام احکامات سے ثابت یہی ہوا۔ کہ عورت خلع لیتے وقت مالی مفادات واپس کرے اور مرد طلاق دیتے وقت مہر ضرور ادا کرے۔ اور قاضی کی حکمت بھی اسلام نے اسی لئے رکھی ہے۔ کہ کمزور گھروندے ٹوٹ نہ جائیں۔ شاید کہ مالی مشکلات طرفین کو اپنی اپنی جگہ روک لیں اور مال کا ہاتھ اتنا زبردست ہو کہ دونوں کو پھر جوڑ دے۔ اور وہ بیک جنبش ٹوٹ نہ جائیں۔ چونکہ اسلام چاہتا ہے کہ مرد زیادتی کا شکار نہ ہو اور عورت زیادتی کی مرتکب نہ ہو اس لئے عورت سے تحائف وغیرہ واپس دلوا دیئے جائیں۔

ویسے خاوند کے ظلم و تعدّی کی وجہ سے عورت خلع لینے پر مجبور ہو گئی ہو تو قاضی خلع کی صورت میں اُس کا حق مہر بھی دلوا سکتا ہے۔ (فقہ احمدیہ حنفیہ ص ۹۳)

اور یہ سارا کارِ خیر قاضی کا وجود ہی درمیان میں کرتا ہے اور یہی قضاء کی حکمت ہے۔ بعض اوقات عورت ناتجربہ کاری اور کسی کی لاگت بازی کی بناء پہ یعنی اکسانے پر گھر برباد کرنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ گو کہ ایسا ہوتا کم و بیش ہے۔ کیوں کہ عورت کے لئے ٹھکانہ واحد خاوند کا گھر ہی ہوتا ہے۔ جو اصل میں اُس کا اپنا گھر ہوتا ہے اور خلع کے کیس میں عورت حد درجہ سوچ و بچار سے کام لیتی ہے یا سوچ و بچار سے کام لینا پڑتا ہے۔ طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے یا ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہ اکثر ایسا خطرناک قدم نہیں اُٹھاتی ہے۔ کم از کم مرد کے مقابلہ میں اسکا تناسب کم ہے کیونکہ وہ کبھی GREEN CARD کے چکّر میں خاوند نہیں چھوڑتی۔ بچوں کے باپ کیلئے اُس کے پاس جذباتِ محبت کے علاوہ تکریم کا جذبہ بھی ہوتا ہے۔ مالی لحاظ سے مستقبل اُس کے سامنے ہوتا ہے۔ کسی دوسرے شوہر کے خیال سے بھی کم و بیش ایسا کرتی ہے۔ کیونکہ وہ تقدیر کی قائل ہوتی ہے اور خیال کرتی ہے کہ جو کچھ میری تقدیر میں لکھا تھا مل گیا۔ یہ اچھا نہیں ہے تو دوسرا کون سا بادشاہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے ہمارے کلچر کی روایات بھی کچھ ایسی ہیں کہ ماں باپ بچی کے دماغ میں ہی یہ ڈال دیتے ہیں کہ اب تمہارا جنازہ ہی اس گھر سے نکلے گا۔ بیٹی تم مجاز نہیں ہو کہ بغاوت کا قدم اُٹھاؤ۔ یہ بات اُس کے شعور میں ہر وقت غیر شعوری طور پر گونجتی رہتی ہے۔ اس لئے بیوی بغاوت کا قدم از خود کبھی نہیں اٹھاتی ہزار میں سے دو تین بچیاں اگر ایسا کرتی ہیں تو ہزار میں بیس تیس مرد ایسا کرتے ہیں۔ اسلئے یہ ماننا پڑے گا کہ عورت قہرِ درویش بر جانِ درویش کی روایات لے کر سسرال میں آئی تھی۔

جھگڑنا بے کار بحث کرنا فطرت کے حساب سے ہی عورت میں کچھ اس طرح رکھ دیا گیا ہے کہ وہ عورت کے وجود کا حصّہ بن گیا ہے۔ وگرنہ عورت کیا خلع لے گی۔ اور کیا طلاق پر راضی ہوگی۔ خدا تعالیٰ عورت پر رحم کرے۔ آمین۔

ہاں یاد رہے کہ خلع کی صورت میں خاوند کی رضامندی ضروری نہیں ہوتی بلکہ عورت کا اظہارِ نفرت اور علیحدگی کا اصرار ہی قضاء کے لئے کافی ہوگا۔ اور وہ فیصلہ صادر کرے گی۔ اور جب قاضی صاحب فیصلہ کر دیں تو خاوند کے رجوع کا اختیار ساقط ہو جاتا ہے۔

پس رجوع مشکل امر ہے۔ ہاں البتہ خلع میں صلح کا پہلو مدّ نظر رکھا جا سکتا ہے۔ یعنی فریقین باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ واضح ہو کہ خلع کا حق صرف اور صرف اسلام نے دیا ہے۔ گو عام مسلمان تو اس مسئلے کو قطعی بھول چکے ہیں۔ اب یہ جماعت احمدیہ کی برکت ہے کہ اس نازک مسئلہ کو واضح کر کے تفصیلاً روشنی ڈال کر عورت کی پوزیشن کو مضبوط کیا ہے۔ اور جہاں کہیں اپنی زندگی کو عورت نے اجیرن پایا ہے اور آزاد ہونا چاہا ہے تو وہاں اُس کے راستے کھول دیئے ہیں خدا تعالیٰ اس کی مدد فرمائے۔ آمین

عزیزم سہیل ارشد! تم نے مجھے بہت وقت دیا اور مَیں نے بھی تمہیں بہت سے

اہم نکات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔ تم میرے شاگردِ رشید ہو اور کبھی مجھے کلاس میں بھی مایوس نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں ہمیشہ تمہاری زندگی کی ناہمواریوں کے لئے دکھ کرتی رہی ہوں۔ اور دعا بھی اکثر و بیشتر کرتی ہوں۔ اور اُمید بھی رکھتی ہوں کہ تم جب بھی ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے جذباتِ محبت باٹنے لگو تو تکریم کا جذبہ ہمیشہ بلند تر رکھو گے گو کہ مساوی نہیں ہو سکتا کیونکہ ماں کو ہر مذہب و ملت نے عزّت و تکریم کا پہلا نمبر دیا ہے یہاں تک کہ نہایت غیر مہذب علاقہ میں بھی تم دیکھو گے کہ ماں کو تکریم کا معراج حاصل ہے۔ مثلاً تھر سندھ میں اگر تم اونٹ پر کسی شخص کے آگے عورت بیٹھی دیکھو گے تو تم جان جاؤ گے کہ وہ اس سوار کی ماں ہے اور اگر سوار کے پیچھے عورت سوار جا رہی ہوگی تو تمہیں پوچھنے کی ضرورت نہیں وہ اس کی بیوی ہوگی ماں نہیں۔ پس مَیں تم سے صرف یہ اُمید کروں گی کہ عزّت و احترام کے جذبہ کو اگر محبّت کے ساتھ ساتھ زندہ رکھو تو کئی تلخیاں مٹ جاتی ہیں۔ مسائل حل ہو جاتے ہیں اور پرائے اپنے ہو جاتے ہیں۔ تم میرے بچے عورت کا دُکھ دُور کرنے میں پیش پیش رہو یہ ایک جہاد ہے۔ خدا تعالیٰ تمہیں توفیق عطا کرے۔

مہر کا قلعہ

شادی بیاہ، طلاق و خلع تمام ایسے مسائل ہیں۔ کہ کچھ نازک اور پیچیدہ نکات اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور مہر بھی اُن میں ایک اہم مسئلہ ہے۔ جس کو بخوبی جان کر ہی آگے چلتے ہیں۔ مہر وہ مالی منفعت ہے جو عورت کو حقِ زوجیت کے طور پر مرد کے مال میں سے حاصل ہوتی ہے۔ اور شاید تمہیں یاد ہو کہ

(۱) نکاح گواہوں کی موجودگی میں پڑھنا ضروری ہے۔

(۲) نکاح کا مناسب اعلان بھی ضروری ہے۔ تو جب خطیب خطبہ نکاح کے وقت اعلان

کرتا ہے تو مہر کا اعلان بھی شامل ہوتا ہے۔ کوئی نکاح بغیر حق مہر نہیں ہوتا یعنی خاوند کے ذمہ حق مہر کی ادائیگی لازمی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ (النساء: ۵)

پس مہر بیوی کا حق ہے اور وہی اس کی مالک ہے۔ وہ جس طرح چاہے مصرف میں لا سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی قلعہ بندی کے لئے مہر کا قلعہ بنایا ہے۔ تاکہ مالی مفادات حاصل کر کے وہ مالی طور پر مستحکم ہو جائیں اور اپنی پوزیشن مضبوط کر لیں۔ گو بہت سے احکامات خدا تعالیٰ نے مہر دینے کے ارشاد فرمائے ہیں۔ اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ حکمت رکھتا ہے۔

مگر

تفصیل میں جانے کی بجائے اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ ایک اعلیٰ درجہ کی حفاظتی تدبیر ہے جو عورتوں کو میسّر آ جاتی ہے۔ عموماً مرد خود مختار ہونے کی بناء پر چند حروف استعمال کر کے عورت کو بے بس کر دیتا ہے۔ یہ مہر ہی ہے کہ جو اُس کی بے بسی کی اوّل تو نوبت ہی آنے نہیں دیتا کیونکہ خانگی اخراجات کی بناء پر شوہر کے پاس پیسے مہیا کرنے کا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ دوسرے اگر وہ رقم جمع کر کے ادا بھی کر دیتا ہے تو تھوڑا سا مالی حصار عورت کو نصیب ہو جاتا ہے۔ گو کہ یہ تمام چیزیں اُس دُکھ کا ازالہ نہیں کر سکتیں جو اس تمدنی معاہدہ کے ٹوٹنے سے پیدا ہو۔ بہر صورت اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ عورتوں کو مہر دلوا کر قلعہ عطا کر دیا ہے۔ اگرچہ اس میں شوہروں کی سہولت کو بھی مدّ نظر رکھا ہے۔ مثلاً مہر مقرر کرتے وقت شوہروں کے حسب اور اُن کی مالی استطاعت کو مدّ نظر رکھا جاتا ہے۔ اگرچہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں تاہم حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے معاشرہ کے غیر صحتمند رجحان کو سنوارتے ہوئے فرمایا ہے:۔

"ہمارے ملک میں یہ خرابی ہے کہ محض نمود کی خاطر اور اس غرض کے واسطے کہ مرد ڈرتا رہے۔ اور قابو میں رہے۔ لاکھ لاکھ کا مہر مقرر کر دیتے ہیں۔ نیت نہ عورت والوں کی لینے کی ہوتی ہے اور نہ مرد کی دینے کی۔ محض نمائش کے لئے ایسا ہوتا ہے اور آخر اُس کے بُرے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ میرا مذہب یہ ہے کہ ایسے تنازعوں میں نیت کو دیکھ لیا جائے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ رضا و رغبت سے وہ کس قدر مہر پر آمادہ تھا۔ تب تک مقرر شدہ نہ دلایا جائے اور اُس کی حیثیت اور رواج کو مدّ نظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے کیونکہ بدنیتی کی اتباع نہ شریعت کرتی ہے نہ قانون۔" (ملفوظات جلد پنجم صـ۲۹۲)

بعد میں قدرتِ ثانیہ کے دوسرے مظہر نے مہر کی مقدار متعیّن کی اور ایک سال آمد انتہائی حد مقرر کر دی گئی ہے۔ پس جماعتِ احمدیّہ کا مسلک ہے۔ کہ حق مہر نہ اتنا کم ہو کہ وہ عورت کے وقار کے منافی محسوس ہو اور شریعت کے اہم حکم سے مذاق بن جائے۔ اور نہ اتنا زیادہ کہ اُس کی ادائیگی تکلیف مالایطاق ہو جائے۔ اس اصول کی بناء پر خاوند کی جو بھی مالی حیثیت ہو اُس کے مطابق چھ ماہ سے بارہ ماہ تک کی آمدنی کے برابر حق مہر کو معقول اور مناسب خیال کیا گیا ہے۔ (فقہ احمدیّہ حنفیہ صـ۵۲)

اقسام مہر

بر سبیل تذکرہ اگر مہر کی کچھ اقسام کا ذکر کروں۔ تو اُمید ہے تمہاری معلومات میں اضافہ ہوگا۔ اگرچہ میرے موضوع کے اعتبار سے یہ اہم نہیں ہے کہ کونسا مہر مطلقہ کو دینا ضروری ہے۔ یعنی طلاق کے وقت کونسا مہر دینا واجب ہے۔ تاہم یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ مہر کی بھی کچھ قسمیں ہیں جو نوعیت کے اعتبار سے اپنی اپنی اہمیّت کی حامل ہیں۔ مثلاً

(۱) **مہر معجّل** ۔ یہ مہر وہ ہے جو بوقتِ نکاح فوری طور پر ادا کر دیا جائے یا عند الطلب

ادا کرنا تسلیم کیا جائے۔ اور نکاح کے وقت مقررہ اعلان شدہ کا کچھ حصّہ بھی ادا کرنا واجب ہے۔

مہر موجل

یہ مقررہ مہر کا وہ حصّہ ہے جو زوجین کی علیحدگی یا خاوند کی وفات کے بعد بھی قابلِ ادا ہوگا۔ (جیسا کہ مَیں پہلے ذکر کر آئی ہوں) کہ مہر ایک قرضہ ہے جو خاوند کے ترکہ میں سے اُس کے دیگر قرضوں کی طرح ادا کرنا ہوگا۔ اور یہی وہ مہر ہے جو کسی حد تک ہمارے موضوع سے کچھ نسبت رکھتا ہے۔ اس وقت فریقین کی حالت تنازعہ شدہ ہے۔ اور مہر اس حالتِ تنازعہ میں وہ کام کرے گا۔ جو مرہم کسی اپریشن میں کام کرتی ہے۔

لیکن اگر

نکاح کے وقت مہر مقرر نہ ہوا ہو۔ اور قبل از رخصتانہ طلاق ہو جائے یا خاوند فوت ہو جائے تو پھر مہر مثل کا نصف یا پُورا مہر مثل ادا کرنا لازمی نہیں بحسب استطاعت مناسب تحائف دے کر عورت کو رخصت کیا جا سکتا ہے۔ تم ضرور حیران ہو گے کہ مہر مثل کیا چیز ہے۔ تو تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ بوقت نکاح اگر کسی عورت کا مہر مقرر نہ ہوا ہو۔ تو قاضی عورت اور مرد کے حالات دیکھ کر جو مہر مقرر کرے وہ مہر مثل کہلاتا ہے۔ اور مہر مثل کی رقم کے تعین کے لئے رشتہ دار عورتیں جو اُس کے ہم پایہ ہیں ان کا مہر کتنا مقرر ہوا تھا۔ گویا یہ جائز نہیں ہوگا کہ عورت اپنے میکے کے رشتہ دار عورتوں کے مطابق مطالبہ کرنے کی حقدار ہے۔

بابِ ہشتم

انوکھی سہولت

آج مَیں ایک ایسی تکلیف دِہ صورت حال کا ذکر کروں گی جو تمہیں بھی اداس کر دیگی اور مجھے احساس ہے کہ مَیں نے تمہارے بہت سے زخموں کو کرید ڈالا۔ مگر عزیزم اصل میں تم نے مجھے ایسی کیفیت میں ڈال دیا ہے کہ جب بھی تمہیں کوئی باب سمجھانے لگتی ہوں تو اُس کا کوئی نہ کوئی سرا تمہاری کسی نااہلی پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں میرے پاس جو نکتہ رہتا ہے وہ تمہارے لئے تکلیف کا موجب ہی ہوتا ہے۔ مَیں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب مزید تمہیں آئینہ نہیں دکھاؤں گی۔ بلکہ آئینہ بند کر کے رکھ دیا تھا۔ مگر جب بہت سی بچیوں کے آنسو دکھائی دیئے۔ پریشانیاں نظر آئیں اور چیخیں سنائی دیں تو ایک بار پھر آئینہ میرے ہاتھ میں تھم گیا۔ اور آبدیدہ آنکھوں کے ساتھ لامحالہ مَیں نے تمہارے سامنے کر دیا۔ کیونکہ تم سے ابھی ابھی جو لڑکا مل کر اسکوٹر پر گیا ہے۔ یہ وہی ہے ناجس کا شادی کارڈ بھی ابھی تک میرے پرس میں ہی رکھا ہے۔ اغلباً اُس کی شادی کو پندرہ دن ہوئے ہیں۔ اور وہ بضد ہے کہ اُس کے کمرے میں بھی نہیں جائے گا۔

لیکن کیوں؟

شاید تمہیں اپنی دوستی کے ناطے سے بتایا ہوگا۔ کہ آخر کیوں؟ مگر مجھے جو غم ہے وہ کیوں اور کس لئے جاننے کا نہیں ہے بلکہ مجھے یہ غم ہے کہ میرے معاشرہ کی ایک بچی

REJECT کردی گئی ہے۔ صرف اس لئے کہ ایک بے وقوف۔ کم ہمت اور تن آسان شوہر کے پلے باندھ دی گئی تھی۔

عزیزم! تم ضرور چونک جاؤ گے کہ مَیں نے کس حق کے ماتحت اُس مرد کو کم ہمت، اور تن آسان شوہر کہہ دیا ہے۔ تو سنو! جو سب سے زیادہ دُکھ دینے والی چیز تمہارے معاشرہ میں نمودار ہوگئی ہے وہ ہے ایک

انوکھی سہولت

جو لڑکے آج کل AVAIL کر رہے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ایک موٹی سی رقم لیکر تمہارے بھائی بند طلاق کا حق استعمال کرتے ہیں۔ یعنی یہ رواج ہو گیا ہے کہ ایک بدنصیب بیوی کو طلاق دیتے وقت شوہر اپنی زندگی کا ایک نفع بخش سودا بھی کر لیتا ہے۔ تمہیں سُن کر تعجب ہوگا کہ شوہر کہتا ہے کہ مَیں تمہیں طلاق دینا چاہتا ہُوں مگر دوں گا نہیں جب تک کہ اتنے لاکھ روپے مجھے ادا نہ کردو۔ گویا مہر جو بیوی کو طلاق کی صورت میں دینا لازمی اور شرعی طور پر طلاق کا صحتمند ہونے کے لئے بنیادی نکتہ تھا۔ اُس کی صورت بالکل پلٹ کر رکھ دی۔ اور میری قوم کے نوبیاہتا جوڑے کا یہ المیہ ہے کہ دولہن سے تین لاکھ روپے مانگے گئے ہیں۔ یہ قیمت ہے اُس خوبصورتی کی جو مرد نے اپنی آنکھوں میں بسائی ہوئی تھی اور اغلباً وہ اُسے وہاں میسّر نہیں آئی یا کچھ بھی ہو اسلام نے طلاق دینے کے وقت مرد کو مہر دینے کا حکم دیا ہے بیوی سے لینے کا اشارةً بھی کہیں ذکر نہیں۔ دولہا کہتا ہے کہ تم تین لاکھ روپے کا انتظام کرو تو مَیں طلاق دے کر تمہیں فارغ کر دوں گا ورنہ ساری عمر معلقہ ہی رہنے دوں گا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

سہیل سُنا تم نے؟ یہ ہوش و حواس کا فیصلہ ہے اور تن آسان شوہر کی فتح مندی کا خواب۔ بتاؤ یہ کلید کامیابی کم ہمت اور لالچی شوہر کے دماغ کا فتور نہیں تو اور

کیا ہے؟ ایک لمحہ ٹھہرو۔ اُس مقدس ارشاد پر غور کرو جس میں خدا تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ:-

"وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا"

(سورۃ البقرہ آیت نمبر۲۳۰)

تمہارے لئے اُس مال کا جو تم نے انہیں دیا ہے کوئی حصہ بھی واپس لینا جائز نہیں۔

یعنی کوئی مال یا جائیداد اگر تم اپنی بیوی کے حوالے کر چکے ہو تو طلاق کے بعد اُس سے واپس لینا ہرگز ہرگز جائز اور حلال نہیں ہے۔ چہ جائیکہ تم نے عافیت اس میں ڈھونڈھ نکالی کہ بیوی اپنے پاس سے ایک معقول سی رقم تاوان ادا کر کے گلو خلاصی پالے۔ جیسا کہ تم نے قرانی حکم میں دیکھا کہ نہ تم مال لے سکتے ہو اور نہ زیور اور نہ پارچہ جات و جائیداد واپس مانگ سکتے ہو بلکہ مہر بھی اگر ادا نہیں کیا ہوا تو فوری پیشگی ادا کرو۔ ذرا وضاحت سے اس نکتہ کو سمجھو۔ کہ تم بیوی کو طلاق دے کر اُس کی جند جان بھی چلا دو اور خود امیر بھی بن جاؤ۔ تو یہ ناممکن ہے اگر بعض ناگزیر حالات کی بناء پر بیوی کو چھوڑ ہی رہے ہو تو تمہیں اجازت ہے مگر اس اجازت علیحدگی کی سزا اتنی نہ دی جائے کہ وہ تخت سے گر کر تختے پر جب آئے تو فاقہ کشی کی صورت پیدا ہو جائے۔ طلاق میں مہر دینے پر زور بھی اسی لئے دیا ہے کہ رقم کی عدم موجودگی میں شاید سمجھوتا ہو جائے۔ عدت کی مہلت بھی اِسی لئے دی ہے کہ TIME FACTER بھی شاید نرمی پیدا کر دے۔ اور کوئی متفقہ فیصلہ ہو جائے۔ رجوع کا حق بھی اسی لئے دیا ہے کہ ناہمواریوں کا احساس شاید کم ہو جائے۔ جائداد اور تحائف دینے پر بھی تاکید اسی لئے کی ہے کہ شاید حالات طلاق کے بعد کسی کروٹ رُخ بدلیں۔ بہرطور "اجازت" کے بعد بہت سی روکیں ڈال کر خدا تعالیٰ نے اس ناپسندیدہ فعل کو صبر و برداشت کے کھاتے میں ڈال دیا ہے تاآنکہ

کچھ برائیاں بیوی کی رفع ہو جائیں اور کچھ شوہر نظر اندازی اور پردہ پوشی سے کام لے کر بنے ہوئے گھر کو بگاڑ کر مزید تباہیوں سے بچا سکے۔

کیونکہ بعض اوقات شوہر پیسہ و جائیداد جاتی دیکھ کر چھوٹا چھوٹا نقصان برداشت کر لیتا ہے۔ اور بڑے نقصان سے بچ جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی جگنو بھی راہ نمائی کر دیا کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ننھی سی روشنی ضیاء کا موجب ہو جائے۔ بیشک اللہ تعالےٰ کے ہر کام میں حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں۔ اور عورت کی ننھی سی جان کو خدا تعالیٰ اپنی عظمت کا سہارا دے کر بچا لیا کرتا ہے۔

مگر

آج ہم دیکھتے ہیں کہ واللہ اعلم کس ایماء کی بناء پر مرد جو کہ قوام ہے رقم طلب کرتا ہے۔ اور اتنی بھاری رقم جو مہر میں بھی شاذ ہی کبھی رکھی ہوگی۔ میں سمجھتی ہوں کہ مردوں نے عورت کو رقم دینے کی بجائے لینے میں عافیت خیال کی ہے۔ کیوں؟ اس کا جواب تم اپنے دوستوں سے پوچھنا۔ میرا ذہن تو یہی کہتا ہے کہ یہ سب کسل مندی۔ نااہلی اور کم ہمتی کی نشاندہی ہے۔ خود کمانے میں دن رات ایک نہیں کرتے بلکہ سونے کا انڈا تلاش کرنے نکلتے ہیں۔ جب اور جہاں مرغی ملی ذبح کی اور انڈا لے بھاگے۔ خدا معلوم یہ کیوں ہوا؟ اور کیسے ہوا؟

بچے! تمہیں تو وہ دن یاد ہو گا جب تھوڑی دیر کے لئے تم سکتے میں آ گئے تھے اور گردن جھکائے ہوئے زمین کرید رہے تھے۔ بہت دنوں کی بات نہیں اغلباً ۲½ ماہ کی بات ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے اور یہی تو قضیہ ہے کہ یہ قطعی سچی حقیقتیں ہیں جو من و عن تمہارے سامنے بول رہی ہیں۔ زید بکر کا فرق ہو سکتا ہے۔ واقعہ حرف بحرف سچا ہے۔ تمہیں یاد ہے یوں تھا نا؟ کہ ایک معروف خادم نے بیوی کو طلاق دینے کے لئے تمام حربے استعمال کئے۔ اس کو کچھ عرصہ معلقہ بھی رکھا۔ آخر یہ طے پایا کہ

پانچ لاکھ مجھے دے دو تو یہ فیصلہ پانچ منٹوں میں کئے دیتا ہوں۔ گویا کئی برسوں کا گوندھا ہوا گھروندہ دو لفظوں سے ختم کرتا ہوں۔ گویا یہ ایک کمائی کا ذریعہ ہے۔ اور شوہر اس ذریعہ کمائی میں اتنا آگے نکل گیا ہے کہ تمام بزرگوں کے اقوال اور حدود اللہ کو پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کی مقررہ حدود قائم نہ رکھ سکیں تو مصلحت کی راہ اختیار کرنے کے لئے ان پر لازم ہے کہ اپنی اپنی جگہ قربانی کریں"۔

یعنی اگر طلاق دے رہا ہے تو اپنا دیا ہوا مال واپس نہ لے۔ حتیٰ کہ مہر وغیرہ سے فراغت بکلی پا کر طلاق کے حق کو استعمال کرے۔ وہاں۔ عورت پر بھی ایک ذمہ داری ڈال دی گئی ہے کہ اگر وہ از خود آزاد ہونا چاہتی ہے تو میاں کا دیا ہوا مال اُس کو واپس لوٹا دے۔ تاکہ عورت کو اپنی رائے علیحدگی (خلع) اور آزادی کی قیمت ادا کرنی پڑے کیونکہ اسلام اس کو حق آزادی دیتا ہے۔ پھر بھی اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ عورت حق زوجیت سے آزاد ہو کر تنہا رہنے لگے۔ تنہا وہ ضرور ہو جائے گی۔ کیونکہ جب ماں کے گھر سے آ گئی اور اب شوہر کے گھر سے جانا چاہتی ہے۔ تو دوسرا ٹھکانہ کونسا ہے؟ بھائی بھاوجہ کوئی بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوا کرتا۔ اور عورت تنہا اس معاشرہ میں وہ حفاظت حاصل نہیں کر سکتی جو خاوند کی چھت کے نیچے اُسے میسّر تھی۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ ناچاقی، جھگڑا، فساد اور باہم اختلافِ طبائع کو مدنظر رکھ کر اسلام اجازت ضرور دیتا ہے مگر اس میں بھی قضا کو لے کر آتا ہے تاآنکہ عورت کو مکرر سہ مکرر سوچنے سمجھنے کا موقع میسّر آ جائے۔ کہیں کسی کے ورغلانے کی بناء پر یہ قدم نہ اُٹھ رہا ہو۔ بے سوچے سمجھے انجام سے بے خبر اور جذبہ رقابت میں یہ فیصلہ نہ کر رہی ہو۔ اس لئے اسلام نے پھر ایک دفعہ معصوم عورت کو بچے کی طرح سہارا دیا کہ وہ بے آسرا و بے یار و مددگار نہ ہو جائے۔ بلکہ اپنی تکلیف کا اظہار قاضی

کے سامنے کرے اور اُس کی اعانت سے معاملہ کو نپٹائے۔ کیونکہ یہ دھاگے توڑنے اتنے آسان نہیں ہوتے جتنے کہ نظر آتے ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے عورتوں کو خلع لینے کی صورت میں مال واپس دینے کا حکم نافذ کر دیا ہے۔ ساری اسلامی تاریخ کو اور فقہ جات کو آپ بغور پڑھیں تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ عورت اگر آزادی خود چاہتی ہے تو کچھ دے۔ یعنی اپنی جیب سے نہیں بلکہ خاوند کا دیا ہُوا مال واپس لوٹا دے (غیرت کا بھی یہی تقاضہ ہے) تاکہ احساسِ زیاں اس میں پیدا ہو۔ اس کو عُرفِ عام میں فدیہ یا بدل خلع بھی کہتے ہیں۔ اس فرمان کی وضاحت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط (بقرہ: ۲۳۰)

یعنی بیوی کے فدیہ دینے میں (بدل خلع) اور میاں کے لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ وضاحت کے لئے ایک واقعہ پیش کرتی ہوں جس سے تمہیں یہ اندازہ ہو جائے گا کہ جمیلہ بنت سلولؓ کے معاملہ میں رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فیصلہ فرمایا تھا: اور کس طرح خدا تعالیٰ کی حکمت کو واضح کیا تھا۔

"ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جمیلہ بنت سلولؓ حاضر ہوئیں۔ تو عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنے خاوند ثابت بن قیس کی دینداری اور خوش خُلقی پہ کوئی اعتراض نہیں لیکن میری طبیعت اس سے ملتی نہیں اور اس وجہ سے مجھے اُس سے سخت نفرت ہے۔ پس مَیں علیٰحدہ ہونا چاہتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا مہر میں لیا ہُوا باغ واپس کرنے کے لئے تیار ہو؟ اُس نے عرض کیا کہ ہاں یا رسُول اللہ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ آپؐ نے فرمایا۔ مہر میں لیا ہُوا باغیچہ واپس کر دو اس سے زیادہ نہیں"۔ (بخاری باب الطلاق)

اب خط کشیدہ فیصلہ تمہارے سامنے یہ روشن پہلو رکھتا ہے کہ عورت کبھی بھی رقم، مال،

جائیداد یا تاوان دے کر شوہر سے علیٰحدہ نہیں ہوگی جبکہ مرد اُس کو اپنی رائے سے اور اپنا حق طلاق استعمال کر کے علیٰحدہ کر رہا ہو۔ اور علیٰحدہ کرنے سے پہلے وہ کئی بار عورت کی زندگی پہ ناخوشگوار تسلّط کا اظہار بھی کر چکا ہو۔ مگر جب وہ گھیرے میں اُسے لے آئے تو حق اپنا استعمال کرنے کے عورت پہ شرط یہ لگا دے کہ "مجھے لاکھوں کے حساب سے رقم دو۔ مَیں تحریر طلاق تمہیں تین قسطوں میں اسی میز پہ بیٹھ کر دے دیتا ہوں۔ تو ثابت یہ ہُوا کہ آج کا شوہر طلاق دیتے وقت خلع والا فائدہ اُٹھاتا ہے۔ بلکہ خلع والے فائدہ سے بھی بڑھ کر نہایت گھناؤنا فیصلہ وہ رقم حاصل کر کے کرتا ہے۔ اصل میں وہ طلاق دیتے وقت اپنے دستخطوں کے تین لاکھ روپے مانگتا ہے۔ گویا اُس نے ایک معصوم جان سے اُس کی آزادی اور اپنی بیزاری کے پروانے کی قیمت طلب کر لی ہے۔ اب بتاؤ تمہارا سر جھکے گا یا نہیں اور میرے الفاظ رنج وغم سے تلخ ہو جائیں گے یا نہیں۔ تم خود ہی انصاف کرو کہ مَیں کیا کروں؟ میری طبیعت میں ہی رنج آجاتا ہے۔ جب مَیں سوچتی ہوں کہ میری ہم عمر ماں نے کیا کیا؟ اور مَیں شرمندہ ہوں کہ یہ تمام ۵۰ یا ۶۰ سال کی ماں کا قصور ہے۔ جس نے بچے کی تربیت میں روزِ اوّل سے ہی غفلت کی۔ پھر اچھے بُرے فیصلے میں اُس کا ساتھ دیا۔ سسرال کے گھر رشتہ مانگنے وہی گئی تھیں۔ بچہ خود نہیں گیا تھا۔ مگر اے خادم یہ تو آپ بھول گئے ہیں کہ آپ کا خلیفہ ہر روز کسی نہ کسی شکل میں ایک پیغام آپ کو دیتا ہے۔ جو آپ کی ماں کے لئے ہوتا ہے اور آپ کے لئے بھی ہوتا ہے۔ اُس پیغام میں آپ کے سامنے خدا اور اُس کے رسول پاک محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اجاگر ہوتا ہے۔ اور ربع صدی سے تمہارے سامنے ہر لحظہ ایک نہ ایک اصلاحی پیغام ہوتا ہے۔ اسوہ حسنہ کے کئی رنگ بیان ہوتے ہیں۔ اگر آپ اُن پہ غور اور عمل کریں تو میرا خیال ہے کہ میری عمر کی ماں شرمندہ نہ ہو گی۔ سیدھی سادھی ماں

کی کوتاہی بھی اپنے کھاتہ میں ڈال کر آپ قربانی کر کے دکھا دیں ۔ کہ تا ماں بدنام نہ ہو اور وجہ آزار نہ بنے ۔ مثلاً کچھ دن ہوئے ہیں مَیں نے ایک ماں سے کچھ جُملے سُنے کہ ہم نے عین اُس وقت طلاق دے دی جب شادی کے کارڈ بھی چھپ چکے تھے ۔ مَیں نے حیرت و غصّہ کے ملے جُلے جذبات سے پوچھا ۔ محترمہ ! آخر کیا آفت آگئی تھی جو آپ کو ایسا ناپسندیدہ فیصلہ کرنا پڑا ؟

فرمانے لگیں کہ اصل میں وہ لڑکی ہمارے مزاج کی نہیں تھی ۔ نہ ہنسے نہ مسکرائے سلام تک کرنا گوارا نہ تھا ۔ اُداسی اور خاموشی میرے بیٹے کو بالکل پسند نہیں ۔ آخر اُس نے بڑی بڑی دعوتوں میں جانا ہوتا ہے ۔ مَیں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ نے ایک خاموش قتل کیا ۔ نَشُوزَهُنَّ کے کسی گوشہ میں بھی یہ وجوہات داخل نہیں ہوسکتیں اور آپ کو پتہ ہے کہ نشوز کا لفظ ہی وجۂ جوازِ طلاق ہوسکتا ہے اور طبائع کا اختلاف تو شادی کے بعد باہم کئی مرحلوں سے گزر کر کئی سالوں اکٹھا رہ کر اور کئی جھگڑوں اور تنازعات کے مواقع کے بعد سامنے آتے ہیں ۔ وہ اپنے گھر اور آپ اپنے گھر طبیعت کا اختلاف کیسے آپ نے حتمی نتیجے تک معلوم کر لیا ۔ خیر ان باتوں کو کہاں تک بیان کروں تم نے پہلے بھی کئی بار خط میں لکھا ہے کہ میری تحریر میں لچک نہیں ہے ۔ تمہیں بجا شکایت ہے اور مَیں جانتی ہوں کہ مَیں سخت اور کڑوی بات کہتی ہوں مگر مَیں کیا کروں سکتی ہوں کہ مجھے ہر وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی کتاب سے کھیلتا ہُوا نظر آئے قطعی باور نہیں ہوتا ۔ کیونکہ یہ چیز منافقت کی راہیں کھولتی ہے ۔ اور بالآخر یہ منافقت جہنم خرید لاتی ہے ۔ فرشتہ کوئی شخص نہیں ہوتا کمزوریاں پائے جانا انسانی خاصہ ہے اور خصوصاً وہ کمزوری جو کسی کی ذاتی برائی ہو اور دوسرے اُس سے متأثر نہ ہوتے ہوں نظر انداز کرنی عین پردہ پوشی و ثواب ہے ۔ لیکن جب ایک چیز واضح طور پہ سامنے آکر نقشہ پیش کر رہی ہو کہ یہ فرمانِ الٰہی کے خلاف اور قطعی خلاف ہے ۔ تو

اُس کو دین کے نرم پہلو میں ڈال کر لچک پیدا کر کے نبھا کر لینا کہاں تک جائز ہے جبکہ قدم قدم پر ہمیں تربیت دی جاتی ہے ۔ راستے متعین کئے جاتے ہیں ۔ خیر و شر میں فرق واضح کیا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک بیٹے کی خوشنودی کے لئے پُورے خاندان کو جہنم میں ڈال دیں ۔ یہ تو صورتحال اولاد کے لئے ایک راستہ کھول دے گی ۔ کہ کِس طرح نازک و معصوم لوگوں کو بھاری بوٹوں تلے روندھا جاسکتا ہے ۔ یہ نفرت کی راہیں ہیں اور بزرگوں کی خصوصاً ماں کی عقل و دانائی سے محبت میں تبدیل ہوسکتی ہیں ۔ جذبات پر قابو پانا اگر بچپن سے ہی سکھا دیا جائے تو کسی موڑ پر بھی ناکامی تباہ نہیں کرتی ۔ اگرچہ جذبات ہمیشہ ناکام کرتے ہیں ۔ اگر ان جذبات کو اس عمر میں صبر و تحمل کی بھاگ تھما دی جائے تو ناکامی خود ناکام ہو جاتی ہے ۔ پس اب آئیں مقصد کی طرف ! بات یہ ہو رہی تھی کہ طلاق کی اجازت نشوزھن کے علاج کے طور پر ہے مگر تفریحاً یہ قدم اگر اُٹھا لئے جائیں تو ایسی طلاق کی صحت کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھا جائے گا ۔ کیوں ٹھیک ہے نا ؟

اور

وہ طلاق جو تمہاری ضرورتوں کو پُورا کرنے کے لئے دی جائے ۔ تمہارے خیالات کی ترجمانی کرے اور تمہارے لئے گاڑی ، بنگلہ اور گرین کارڈ مہیا کرے ۔ طلاق نہیں ہے تمسخر ہے اور میری قوم کے لئے لمحۂ فکر ۔ تم لوگ تو میرے عزیز ! ماموُر من اللہ کی جماعت ہو تم نے فخریّہ کارنامے انجام دینے کا عہد کیا تھا ۔ وہ عہد کیا ہُوا ؟ کبھی اُس کی تجدید کر لیا کرو کبھی تو تم نے کشتی نوح کے اوراق پلٹ کر دیکھ لئے ہوتے ۔ کہ تمہیں بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیّہ نے کس درد سے پکارا ہے ۔ اور گھر گھر جا کر صدا دی ہے کہ

"دُنیا پرستی کے جذام سے بچیں ۔ پس تم اُس جذام سے ڈرو ۔ مَیں تمہیں

حدِ اعتدال تک کی رعایت کے اسباب سے منع نہیں کرتا۔ بلکہ اِس سے
منع کرتا ہوں۔ کہ تم غیر قوموں کی طرح نِرے اسباب کے بندے ہو جاؤ
اور اُس خدا کو فراموش کردو۔ جو اسباب کو بھی وہی پیدا کرتا ہے۔
اور اگر تمہیں آنکھ ہو تو تجھے نظر آ جائے کہ خُدا ہی خدا ہے باقی سب
ہیچ ہے۔"

(کشتی نوح صفحہ ۲۳)

خُدا تعالیٰ کی عظمت کے بعد آپ نے مزید فرمایا ہے کہ

"خُدا کا امتحان کبھی اس رنگ میں ہوتا ہے۔ کہ جو شخص اُسے چھوڑتا
ہے اور دُنیا کی مستیوں اور لذتوں سے دل لگاتا ہے اور دنیا کی دولتوں
کا خواہشمند ہوتا ہے تو دُنیا کے دروازے اس پر کھولے جاتے ہیں
اور دین کی رُو سے وہ نِرا مفلس اور ننگا ہوتا ہے۔"

(کشتی نوح صفحہ ۲۳، صفحہ ۲۴)

گویا حضور بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ دنیا کی دولتوں
کا خواہشمند اپنی خواہش کے مطابق دنیا کی دولت حاصل کر لیتا ہے۔ مگر دین کی دولت
سے وہ آسودہ حال نہیں ہوتا۔ کیا ہُوا اگر لذّتِ دنیا اُسے حاصل ہو گئی۔ لذّتِ
دین سے محرومی تو اُس کا مقدر ہو گئی۔ کیونکہ وہ دنیا کی لذتوں۔ آسائشوں اور
مستیوں میں کھو گیا۔ اور دین کے لحاظ سے مفلس ہو گیا۔

ماں کا ہاتھ

اب دیکھنا یہ ہے کہ اُس کی مفلسی دین میں اُس کی ماں کا ہاتھ کہاں تک ہے۔ اور
ماں نے کن اصولوں اور قواعد پر چل کر تربیت کی ہے۔ کونسے راستے متعین کئے ہیں
اخلاق کی بلندیوں میں اُس کا کونسا مقام بنایا ہے؟ کہاں تک نرمی اور رحم کے پہلوؤں

کو مدِ نظر رکھا تھا؟ دیانت و سچائی۔ فرض شناسی۔ بزرگوں کا ادب۔ امی اور بہن سے
محبت۔ دادی جان اور نانی جان سے عقیدت۔ گھر کی ملازمہ کا احساس۔ گھر کی
بلی۔ چڑیا اور چیونٹی سے پیار وغیرہ وغیرہ میں کن پہلوؤں کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔

چڑیا کا گھونسلا

ایک چھوٹی سی چیز چڑیا کا گھونسلا ہی لے لیں۔ گھونسلا توڑنا بچوں کا مشغلہ
ہے۔ مگر دیکھا جائے تو اُس کے پیچھے کئی عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ مثلاً توڑ پھوڑ
سختی۔ ننھی چیزوں پر قبضہ۔ نفرت کا جذبہ۔ درندگی اور ظلم اور کبھی کبھی چھپے ہوئے
وہ جذبات جو خود کو مارنے سے دبے ہوئے تھے۔ چیونٹی کا مارنا بھی ایک سختی کا
عمل ہے۔ بلی، بکری اور مرغی وغیرہ سے نفرت تمام باتیں دُور رس نتائج کی
متحمل ہیں۔ اُس کے اُلٹ نوکر سے پیار۔ غریب کی ہمدردی۔ بچے سے اُلفت،
استاد کا ادب۔ بہن کا خیال۔ بزرگوں سے اُنس۔ بے آسرا اور کمزور سے
محبت ہی وہ بازو ہیں جو بچپن سے لے کر بوڑھاپے تک مضبوط اور دراز ہوتے
رہتے ہیں اور ان بازوؤں میں جگہ پانے والا ہر نفس خواہ بیوی ہو یا بچہ دامنِ
عافیت میں رہے گا۔ کیونکہ محبت۔ عفو و درگزر کا سبق ماں سب سے پہلے
دیتی ہے۔ اور یہ سبق یاد رکھنے والا بچہ کوہ وقار مرد بنتا ہے۔

مگر ہوتا کیا ہے؟

میرے خادم کی ماں بچپن سے ہی بچے کو بہادر بنانے کے لئے ہر دم کوشاں
رہتی ہے۔ کیڑے۔ چیونٹی۔ کاک روچ یا لال بیگ مارنے کے لئے جوتی بچے کے
ہاتھ میں تھما دیتی ہے۔ بلی کی دُم پکڑنے پر اظہارِ فخر کرتی ہے۔ کمزور بچے کو جھگڑتے
دیکھ کر سیخ پا ہو جاتی ہے۔ زبانِ حال سے مار مار کہتی ہے اور لاشعوری طور پر

انتقام کا سبق دیتی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے بچے کو غالب دیکھنا چاہتی ہے۔ پھر یہ جذبہ ترقی کرتے کرتے بیوی بچوں کی دنیا میں بھی نمایاں کام کرتا ہے اور اس کے بعد ماں کا کوئی بھی رحم و آشتی کا سبق کارگر نہیں ہوتا۔ کیونکہ خمیر میں ہی درشتی اور نفرت جگہ بنا چکی ہوتی ہے۔ اب تو یہ پہچان بھی ختم ہو چکی ہے کہ وہ آپ کی ماں تھی یہ آپ کے بچوں کی ماں ہے۔ درجہ دونوں کا احترام و محبّت کا ہے۔ ہاں وہ ماں قربانی دیتی تھی اور آپ کے وجود کا حصّہ تھی۔ اور یہ ماں قربانی لیتی ہے اور آپ کے بچوں کے وجود کا حصّہ ہے۔ آپ سے ہٹ کر مختلف بھی ہے۔ اپنے بچوں کے لئے یہ ماں بھی قربانی کرے گی۔ مگر آپ سے بہت اُمیدیں باندھے بیٹھی ہے۔ اب یہ فرض آپ کا ہے کہ اپنے گھر کو سنوارنے کے لئے محبّت کے بازو وسیع تر کر دیں۔

سہیل! یہ یاد رہے کہ ماں بچے کی دشمن نہیں ہوتی۔ وہ جو کچھ بھی کرتی ہے تربیت کے نقطۂ نظر سے کرتی ہے۔ مگر انجانے میں وہ اپنے بیٹے کو ماحول کے مطابق ڈھالتی چلی جاتی ہے۔ حالات کی ناہمواری۔ توڑ پھوڑ۔ معاشرے اور جوان طبقہ کی اٹھان کی اُس کے اخلاقیات کا حِصّہ بن جاتی ہے۔ جبکہ وہ ایسا چاہتی نہیں مگر لاشعوری طور پر وہ بیٹے کے لئے ایک امتیازی مقام ڈھونڈتی ہے۔ شاید اسلئے کہ وہ اپنے بیٹے کو مثالی دیکھنا چاہتی ہے۔ مثلاً ہمیشہ بہن بھائی کے مقابلہ میں بہن کو دوسرا درجہ دیتی ہے۔ بھائی کو SUPER حقوق دلواتی ہے۔ حالانکہ بیٹی زیادہ فرمانبردار ہوتی ہے۔ مگر ماں بیٹے کو زیادہ حصّہ دیتی ہے۔ کھاتے پینے۔ آرام اور سہولتِ زندگی ہر ایک میں اُس کو ترجیحی سلوک ملتا ہے۔ اگر وہ اُونچی آواز سے بولتا ہے تو مردانہ خصوصیت خیال کر کے نظر انداز کرتی ہے اور اُسے بے راہ روی کے راستے پر چلتا ہُوا دیکھ کر بھی خوش ہوتی ہے کہ ماشاء اللہ جداگانہ مردانگی کا مالک ہے۔ اسلئے دکھاوا، متلون مزاجی شوخی۔ طرازی۔ حاضر جوابی اور لاپرواہی کے ساتھ کسل پسندی اس میں ایسے بھر

جاتے ہیں کہ گھر میں ہی اُسے ایک امتیازی مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن کسی کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ خاموش اور اندر ہی اندر عمل کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ کوئی ماں بھی اپنے بیٹے کی دشمن نہیں ہوتی۔ کہ وہ تمام منفی صفات اس میں پیدا کر دے۔ مگر درحقیقت منفی رجحانات کی کافی حد تک ذمہ داری بھی اُس کے کندھوں پر جاتی ہے۔ کافی حد تک سے میری مراد یہ بھی ہے کہ جوان ہونے کے بعد تربیت میں ماحول بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن ماں کی تربیت میں منفی رجحانات اس گھڑی سے ہی شامل ہونے شروع ہو جاتے ہیں جب بیٹے کو ماں بیٹی کے مقابلہ میں اکلوتا پن کی وجہ سے یا باپ کی درشتی و سختی کی وجہ سے انوکھا سلوک کرتی ہے۔ کیونکہ گھر کے اندر بچے اور ماں کے درمیان فاصلہ بہت کم ہوتا ہے۔ باہر کا ماحول میسّر آتے ہی بچے اور ماں کا فاصلہ بڑھ جاتا ہے۔ مگر تربیت کا عمل کمزور ہو جانے کے باوجود اثر انداز رہتا ہے۔ اسلئے یہ حاصل شدہ امتیازی مقام عام طور پر زیادہ محنت، زیادہ مشقت اور زیادہ تکلیف اُٹھانے نہیں دیتا۔ آخر وہ اتنی تنگیاں اور صعوبتیں کیوں اُٹھائے۔ کیونکہ وہ مصائب اور دشواریاں تبھی تو اُٹھائے گا جو اُسے کچھ حاصل کرنا ہو۔ اُس کی ماں جیتی رہے بغیر مشقت کے ایک عدد "**مشقتی**" لے آئے گی تو صاحبزادہ کو مشقت کی کیا ضرورت؟

مشقتی کا لفظ مَیں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ بیوی کا کام ہے کہ خدمت اپنے بزرگوں کی کرے۔ گھر والوں سے حُسن سلوک کرے اور ضرورت آنے پر ہر سخت نرم و گرم کام کر گزرے کیونکہ وہ اس گھر کی عزّت و ناموس ہے۔ اس کی سہولت و سکون اُس کی زندگی کا ماحصل ہے۔ مگر ماں (میری ہم عمر بہن صاحبہ) ہمیشہ بہو بیگم صاحبہ کو اپنے ماحول کے مطابق ڈھالنے میں یہ نہیں سوچتی کہ لائی کس ماحول سے ہے؟ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ "بھولا تے وقت نیکی و تقویٰ کے ساتھ ساتھ کفو" کو

اولیت دینی ضروری ہے۔ اور کفو سے مراد تمدن۔ طرز رہائش۔ معمولاتِ رہن سہن اور روایات وطریق بودو باش ہوتا ہے۔ اگر محترمہ دین دار۔ خوبصورت وقدو رنگ میں اوّل کو درجہ دے تو کفو کو بھی نمبر ضرور دے لیا کرے۔ اس طرح حالات سازگار رہیں گے وگرنہ عورت اپنے آپ کو بیوی کم اور "مشقتی" زیادہ سمجھنے لگ جائے گی۔

اس کے متعلق قدرتِ ثانیہ کے مظہر ثانی نے فرمایا ہے کہ :۔

"ہزارہا لوگ ایسے ہیں جو شادی کرتے بھی انصاف اور محبت کی بنیاد رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ شادیاں کرتے ہیں۔ مگر ان کی نیتوں اور ارادوں میں کبھی دوسروں سے بدلہ لینا ہوتا ہے کبھی فتنہ و فساد کی آگ کو بھڑکانا ہوتا ہے۔ اور کبھی گھر کے کام کاج کے لئے ایک نوکر لانا ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ ایک انسان کو غلامی کا طوق پہنانا ان کے مدنظر ہوتا ہے"۔

(خطباتِ محمودؔ)

بابِ نہم

بیٹے معذرت کے ساتھ میں یہ دہراؤں گی کہ تمہاری دین کی مفلسی اور دنیا داری کی آسودگی میں تمہاری امی جان بہت حد تک ذمہ دار ہیں۔ اس لئے اس ذمہ داری کی CHAIN کو اگر بڑھا کر اُوپر کی طرف لے جائیں تو کسی کی بیٹی سے چین چھین لینے والی بھی میری ہی کوئی بہن ہے۔ میری ہی لجنہ اماء اللہ کی ممبر ہے۔ میرے ہی کسی اجلاس کی ہم جلیس ہے۔ جس نے اپنے بیٹے کو وہ ہتھیار مہیا کیا جس نے ایک معصوم کی جان کو توڑ کر رکھ دیا اور بکھیر دیا۔ اس کی تمام کائنات سے سرور چھین لیا۔ وہ ہموار دنیا میں رہتے ہوئے تفکرات کے بھنور میں کیوں پھنسی پڑی ہے؟ میں پوچھتی ہوں آخر یہ کیوں ہُوا؟

یاد رہے کہ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ ہر بیٹا پیدا کرنے والی عورت اپنے بیٹے کو عام سیدھی سادھی مخلوق سمجھ کر پرورش نہ کرے گی۔

(۲) جب تک سچ کی گھٹی نہیں دے گی۔

(۳) جب تک کہ باپ اپنی صحیح کمائی کو وقت نہیں دے گا۔

(۴) جب تک کہ ماں صاحبہ لوگوں کے گھروں میں حضرت یوسف علیہ السلام والی بڑھیا کا سوت کپاس لے کر جاتی رہے گی۔

(۵) جب تک ہمارے بچے جوان ہو کر دنیا پرستی کے جذام سے نہ بچیں گے۔

(۶) اور جب تک دُنیا کی مستیوں اور لذتوں سے دل لگانا نہ چھوڑیں گے۔

پس اس وقت تک ہر آنے والے یک صد خدام میں سے ۵ یا ۴ ایسے مَن چلے

ضرور سامنے آتے رہیں گے جو اُس حق کو استعمال کر کے قرۃ العیون کا سہاگ اجاڑتے
ہی رہیں گے ۔ میرے خدام کو خدا تعالیٰ محفوظ رکھے ۔ آمین یا ربّ العالمین ۔

اعادہ

سہیل ! تم نے بہت حوصلہ سے کام لیتے ہُوئے مجھے موقع دیا ہے کہ مَیں وہ
کچھ لکھ دوں جو تم اپنے بزرگوں سے سُننا نہیں چاہتے تھے ۔ مگر بچے بعض اوقات طبیعت
پر گراں گزرنے والی چیزیں بھی نجات کا موجب ہوا کرتی ہیں ۔ اور پشیمانی سے بچاتی
ہیں ۔ مَیں تمام سابقہ خیالات کو دہراتی ہوں اور مختصر لفظوں میں پیش کرتی ہوں ۔ تاکہ
جب وہ ایسے نازک معاملات میں الجھیں تو اس اعادہ کی تحریر میں کوئی سِرا ان کو
میسّر آجائے جو عقدہ کو حل کر سکے ۔ اور گرہ کھول دے ۔ (خُدا کرے کہ ایسا ہو) ۔
اور تم سے مَیں مکرر معذرت خواہ ہوں کہ تمام بیٹے میرے مخاطب ہیں مگر رنجیدہ خاطر
تمام نہ ہوں ۔ کیونکہ ؎

ہر نظر اپنی اپنی روشنی تک جا سکی
ہر کسی نے اپنے اپنے ظرف تک پایا مجھے

سو تم میری تحریر سے دُکھی ہو رہے ہو مجھے بھی دُکھ ہے کہ مَیں اپنوں کو کوئی قصیدہ
نہ دے سکی ۔ مگر مَیں کیا کروں اس

دکھوں کی چادر

کو جو مَیں نے اوڑھ رکھی ہے جس کونے سے بھی تم پکڑو گے ایک چیخ سنائی دے گی جو
تمہارے جوان خون کی پیدا کردہ ہوگی ۔ مثلاً مجھے وہ عزیزہ بچی یاد ہے اور مَیں کبھی
نہیں بھولتی جو اپنی کزن کی شادی میں آئی ہُوئی تھی اور روشنی کے ہالے میں بیٹھی ہُوئی
بڑی پیاری لگ رہی تھی ۔ مگر شادی کے ہر سہاگ گیت پر اُس کی آنکھیں ایک جھڑی
لگا دیتی تھیں ۔ مَیں نے پوچھنے کی ہمت نہیں کی ۔ مگر جب اُس کا دُکھ سامنے آیا تو میں بہت

دُکھی ہُوئی ۔ واقعہ یوں تھا کہ کوئی خادم اپنی امی اور بہن کے ساتھ شاپنگ کرنے انارکلی
اپنی بیوی کو لے کر گیا ۔ شاپنگ کے بعد پچاس روپے کا نوٹ بیوی کے ہاتھ میں تھما
کر کہا کہ تم یہ ٹیکسی رکشہ لے کر گھر جاؤ میں کل تمہیں میکے میں ملنے آؤں گا ۔ وہ حیران
ہوئی کہ ایسا کیوں ہُوا ؟ اُس کے پوچھنے پر یہی جواب دیا کہ تم سمجھتی کیوں نہیں ہو ؟ میکے
چلی جاؤ کل مَیں آؤں گا ۔ وہ تنہا امّی ابّا کے گھر گئی اور اگلے دن وہ طلاق کا کاغذ اور
بیگ وغیرہ باہر سے ہی دے کر چلا گیا ۔ یہ آفت اس پر کیوں ٹوٹی ۔ اُسے خود علم
نہیں ۔ وجہ جواز دینے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی گئی اور ہاں جب رشتہ توڑنا
ہی مقصود ہو تو مضبوط جواز کی ضرورت بھی نہیں ہوتی ۔ چھوڑنا ہی ہے اور گندی
سبزی کی طرح باہر پھینکنا ہے تو انارکلی کا بازار ہو یا ماڈل ٹاؤن کی کوئی شاہراہ
ہو فرق نمایاں نہیں پڑتا ۔

تم تو واقعات کے ہجوم سے گھبرا کر پلٹنا چاہو گے مگر میرے بچے جاؤ گے
کہاں تم تو اپنے پیچھے خود ہی دروازے بند کر آتے ہو ۔ خُدا کے لئے ان دروازوں
کو کھولو ۔ اور آسانیاں پیدا کرو ۔ خود جیو اور دوسروں کو جینے دو ۔ ایسا سایہ دار
درخت بنو کہ تمہارے سائے کے نیچے شیر بیٹھے تو آرام پائے اور بکری بیٹھے تو سکون
سے مالا مال ہو ۔ آمین

او ہو ! درمیان میں واقعہ آ گیا وگرنہ مجھے علم ہے کہ اختصار سے مراد یہی
ہوتی ہے کہ تفصیلی عبارت کو مختصر چند جملوں میں پیش کیا جائے ۔ مَیں کوشش کرتی
ہوں کہ کچھ SUM - UP تمہیں دوں تاکہ سہولت رہے ۔ اچھا !

اس وقت ضرورت اس امر کی نہیں ہے کہ نکاح ۔ ولی ۔ تعدادِ ازدواج پر کچھ
بحث کی جائے ۔ صرف اور صرف اُن حقوق کا ذکر کرتی ہوں جو موضوع سے قریبی
تعلق رکھتے ہیں ۔ اور اسلام نے اپنی رحمت کے بازو پھیلا کر مرد و زن دونوں کو

شفقت کے سائے عطا کئے ہوئے ہیں ۔ بنیادی بات فرق مابین حق و اجازت ہے ۔

احکامات یا حقوق و اجازت

ہمارے پاس خدا تعالیٰ نے حقوق و اجازت نامے تو عطا کئے ہیں مگر طلاق کے لئے کہیں بھی احکامات نہیں دیئے کہ "تم **طلاق** دے دو"۔ صورتِ حال کا ذکر فرمایا ہے ۔ طریق کار کا ذکر فرمایا ہے ۔ وجہ طلاقِ حق کا ذکر آیا ہے اور ان مشکلات کو حل کرنے کے لئے حکم آیا ہے ۔ لیکن خدا تعالیٰ نے عورت کو طلاق دینے کی اجازت ضرور دی ہے حکم نہیں دیا ۔ اس لئے اگر ہم حکم اور اجازت میں فرقِ پہلے کر لیں تو کئی مشکلات رفع ہو جائیں گی ۔ بلکہ پیدا ہی نہ ہوں گی ۔

اجازت

اجازت ایک سادہ سا لفظ ہے ۔ جس کا مطلب ہے کہ اگر تمہیں مجبوری لاحق ہے تو یہ حق تمہیں حاصل ہے کہ بامر مجبوری اِسے استعمال کر لو ۔ بامر مجبوری کے علاوہ ایک بات اور نوٹ کر و کہ ایک پہلو شادی بیاہ اور طلاق کے معاملہ میں یہ بھی ہے کہ بیٹا اگر بغیر مشورہ کے شادی کرے تو ماں باپ کو اختیار ہے کہ اُسے کہیں کہ طلاق دے دیں ۔ اور لڑکے کو اس کی تعمیل کرنی چاہیئے تو لڑکے کو مشورہ کرنے کا پابند قرار دیا گیا ہے ۔ لیکن اگر ماں باپ بضد ہوں اور بغیر کوئی نقص اور خطرہ بتائے زور سے روکیں تو لڑکا شادی کر سکتا ہے ۔ ہاں اُسے یہ حکم ہے کہ والدین کی خواہش کو جہاں تک ممکن ہے پُورا کرے مگر جب یہ سمجھے کہ ایسا کرنا اُس کے لئے مضر ہے تو شادی کر لے ۔ اگر لڑکا ماں باپ سے پوچھے بغیر شادی

کرے تو وہ (ماں باپ) اُسے طلاق دینے کا حکم دے سکتے ہیں[1]

سہیل مندرجہ بالا فرمان میں وضاحت یہ ہوئی کہ ۔ لڑکا اگر مشورہ کر کے شادی نہیں کرتا تو والدین کو اختیار ہے کہ اُسے طلاق دینے کا حکم دیں ۔ گویا نشوز کی وہ حد جو اسلام نے مقرر فرمائی ہے اس کی ایک اور نوعیت سامنے آئی ۔ مَیں نے لکھا تھا کہ نشوز کے لفظی معنی نا فرمانی اور بغاوت ہے ۔ اس کے علاوہ بیوی کا نشوز جس پر طلاق کا اطلاق ہوتا ہے وہ ذرا زیادہ گھمبیر معنوں میں آتا ہے ۔ مختصر یہ کہ خاوند کے خلاف بیوی کمر کس لے اور مُنہ زور ہو جائے یا بے حیائی اور دینی منافرت کی حدود میں داخل ہو جائے تو وہ عورت کا نشوز کہلائے گا مگر اس بالا جملے میں بیٹے کا نشوز یہ ہے کہ اُس نے ماں باپ کا کہنا نہیں مانا ۔ دوسرے بغیر مشورہ کے شادی کر لی ۔ تو اس نشوز کو بھی اسلام نے ماں باپ کے احترام کو قائم رکھنے کے لئے مدِ نظر رکھا ہے ۔ اِسی لئے یہ حکم ہے کہ

> اگر لڑکا ماں باپ سے پوچھے بغیر شادی کرے تو وہ اُسے
> طلاق دینے کا حکم دے سکتے ہیں ۔

عزیزم ! لفظ **سکتے** پر غور کرو ۔ باقی بس ! **لیکن**

ویٹو کا حق

"لڑکی کے معاملہ میں والدین کو ویٹو کا حق دیا ہے ۔ یعنی اگر لڑکی کہے کہ فلاں

---

[1] "گو خدا تعالیٰ نے لڑکے لڑکی کو آزادی دے رکھی ہے مگر شادی کے بارے میں ایک عجیب بات بھی رکھی ہے ۔ یہی کہ دونوں ماں باپ کے مشورہ سے شادی کریں ۔"
(خطباتِ محمود جلد سوئم صـــ ٢٢٦)

جگہ شادی کرنا چاہتی ہوں۔ اور والدین مناسب نہ سمجھیں تو وہ انکار
کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ محدود حق ہے۔ یعنی ۲ دو دفعہ کے لئے ہے۔ اگر تیسری
جگہ بھی انکار کریں تو لڑکی کا حق ہے کہ قضا میں درخواست کر دے۔ کہ
والدین اپنے فوائد یا اغراض کے لئے اُس کی شادی میں روک بن رہے
ہیں۔ اس پر اگر قاضی دیکھے کہ یہ صحیح ہے تو لڑکی کو اختیار دے سکتا
ہے کہ وہ شادی کرلے۔ پھر چاہے تو وہ اُس پہلی جگہ ہی شادی کرے
جہاں سے والدین نے اُسے روکا تھا۔ اور یہ جائز شادی ہوگی۔"

(خطباتِ محمودؒ حصّہ سوئم ص ۲۲۸)

عزیزم! بات اجازت اور احکام کی ہو رہی تھی۔ مَیں نے کہا تھا کہ تمہیں اگر مجبوری
لاحق ہو تو یہ حق تمہیں حاصل ہے کہ تم حقِ طلاق استعمال کرو۔ اِسی طرح عام زندگی میں
خواہ بعض چیزیں حرام اور ناپسندیدہ بھی ہوں۔ اسلام مجبوری اور لاچاری کی بناء
پر استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ مثلاً شراب پینے کی بھی اجازت ہے جب کوئی
بیماری لاحق ہو۔ سؤر کھانے کی بھی صورت پیدا ہو سکتی ہے اگر بصد لاچاری ہو۔
اس لئے کون نہیں جانتا کہ یہ چیزیں اسلام میں قطعی حرام ہیں۔ مگر طلاق تو ایک حد
تک حلال چیز ہے۔ مگر انتہائی آخری درجہ پر حلال ہے۔ مگر کبھی کبھی اس حلال اور
ناپسندیدہ چیز کے طریق استعمال میں بھی غلطی کرنے سے اس کی صحت گر جاتی ہے
اور یہ قطعی وبال ہو جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی اس کا استعمال نہ کرنا بھی دوزخ خرید لاتا
ہے۔ اور مہلک نتائج پیدا کر دیتا ہے۔ پس یاد رہے کہ حلال چیزوں کے استعمال
سے بھی کبھی کبھی نہایت مہلک نتائج نکلا کرتے ہیں۔ اور پھر ان نتائج کا ذمہ دار وہ
ہلاک ہونے والا از خود ہوتا ہے۔ اور وہ حلال چیز ذمہ دار نہیں ہوتی جس کے استعمال
سے وہ ہلاک ہوا۔ مثلاً نہاری خوش ذائقہ ایک طاقتور غذا ہے۔ مگر اس کے ساتھ

رس ملائی یا آئس کریم کے استعمال سے نتائج ہمیشہ دل کی شریانوں کو بھگتنے پڑتے
ہیں۔ جو کبھی کبھی مہلک صورت بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ پس چیزیں تو دونوں حلال
اور خوشگوار و خوش ذائقہ تھیں مگر استعمال غلط تھا۔ اور ہلاکت کی نشاندہی
کرتا ہے۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے بے شک قوام کے لفظوں سے نوازا ہے۔ یعنی وہ
خرچ و اخراجات اور مالی ذمہ داریوں کا ذمہ دار ہے۔ اسلئے وہ عورت کا
ذمہ دار اور حاکم ہے۔ مگر اس حاکمیت کی حدیں اتنی نہ بڑھا دے کہ جو چاہا۔ جب
چاہا کر گزرے۔ اسلام نے طلاق کے معاملہ میں بھی ایک حق۔ ایک اجازت اور
ایک سہولت اس کو دی ہے۔ مگر یہ قدغن ساتھ لگا دی ہے کہ وہ طلاق کے
PROCESS کو شروع سے لے کر آخیر تک قرآنی احکامات کی روشنی میں مکمل کرے۔
اور پھر کمال تو یہ ہے کہ اس سارے PROCESS میں اس کو تقریباً ۲۵۰/۷۵ دن
کی مہلت بھی عطا کی ہے۔ تاکہ وہ جان لے کہ کہاں غلطی کر رہا ہے۔ ایک صحیح الدماغ
مرد کے لئے یہ مہلت بہت ہے۔ مرد کا لفظ اس لئے استعمال کر رہی ہوں کہ یہ حقِ
طلاق عورت کے استعمال کی چیز نہیں ہے۔ اُس پر استعمال کی جاتی ہے۔ وہ یہ
حق خود استعمال نہیں کرتی اور جب وہ یہ حق استعمال کرتی ہے تو اس کا طریق کار
مختلف ہوتا ہے۔ یہاں ۲ دو جملوں میں تشریح کرتی ہوں تاکہ تمہیں سہولت ہو۔
مثال کے طور پر جب عورت اپنے میاں سے مطالبہ کرے کہ وہ اُسے آزاد
کردے تو وہ خلع کہلائے گا۔ اور خلع بھی البغض الحلال کے ضمن میں ہی آئے گا۔ مگر
یہ حقِ آزادی عورت جب ENJOY کرنا چاہے گی تو قضا میں درخواست کرے گی۔
اس لئے غلطی کا امکان کم ہو جائے گا۔ مگر طلاق وہ حق ہے جو مردانہ خود استعمال
کرکے عورت کو آزاد کر دیتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ بعض اوقات اس میں طریقِ کار غلط
ہوجاتا ہے۔ کیونکہ فرق یہ ہے کہ مرد بغیر قاضی کے ۲ دو طلاقیں مختلف اوقات میں دیکر

تیسری طلاق پر معاملہ قطعی ختم کر لیتا ہے۔ جبکہ عورت اپنے حق کے حصول کے لئے قاضی کی طرف رجوع کرتی ہے۔ قضاء کے سپرد کر کے انتظار کرتی ہے۔ اور کبھی کبھی اپنی کمپرسی کی بناء پر واپس اس حق کو دفن کر دیتی ہے۔ خواہ اُسے خود بھی دفن ہونا پڑے۔ کیونکہ عورت خلع کم و بیش مانگتی ہے۔ اور اگر ایک دفعہ منظوری درخواست کے بعد وہ اپنی آماجگاہ میں واپس آجائے تو مرد کے پاس کوئی صورت نہیں رہتی کہ وہ اپنی سابقہ بیوی سے از خود نکاح کر سکے۔ ہاں فریقین یعنی عورت کی بھی اگر مرضی ہو جائے تو صلح (نکاح) ہو سکتی ہے۔ اس بات سے بھی یہی وضاحت ملتی ہے کہ عورت کبھی اپنے گھر کو تباہیوں کی نذر نہیں ہونے دیتی۔ کیونکہ شادی کے دن میکے سے قدم جب اٹھاتی ہے تو شوہر کے گھر کو ملجاء ماوی سمجھ کر داخل ہوتی ہے۔ اُس گھر کو وہ آخری آرام و سکون کی منزل تصور کر کے زندگی شروع کرتی ہے۔ اس لئے حقیقتوں کی تلخیاں بھی وہ برداشت کرتی ہے وہ اپنے آشیانہ کے کسی تنکے کو بھی ٹوٹتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی۔ طبائع کی ADJUSTMENT ہو نہ ہو وہ گلے تک دلدل میں پھنس جاتی ہے۔ مگر اپنے بسیرے کو اجڑنے نہیں دیتی۔ بالآخر جب حالات بہت بے قابو ہو جائیں اور مصائب کا مُنہ زور طوفان اُسے اپنی زد میں لے لے تو وہ ہزار بار سوچ کر یہ بھیانک لفظ (خلع) لکھ کر قاضی صاحب کو روانہ کرتی ہے۔ دراں حالیکہ یہ بھیانک خواب دیکھ کر بھی وہ کانپ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخری مراحل میں پہنچ کر وہ درخواست دیتی ہے۔ دگرنہ مادہ پرندہ بھی اپنا آشیانہ چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ ایک اشرف المخلوقات توڑ پھوڑ کا یہ قدم اُٹھائے جبکہ مادہ پیدا ہی تعمیر کے لئے ہُوتی ہے۔

طلاق و خلع کی تشریح کے بعد قرآن مجید کے حکم پر غور کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٥

(سورۃ البقرہ آیت ٢٢٨)

یعنی اگر مرد طلاق دینے کا پختہ ارادہ کرے تو اُسے یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر بیوی سے ناانصافی کرے گا تو وہ بدنتائج سے بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی خوب جانتا ہے۔ اور انہی کے مطابق تم سے معاملہ کریگا اسلئے تم اپنے معاملات میں ہوشیار رہو۔ تم دنیا کو دھوکا دے سکتے ہو مگر خدا تعالیٰ کو نہیں "

(تفسیر کبیر ص ۵۱۱۔ سورۃ البقرہ)

مندرجہ بالا جامع عبارت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مردوں کو خدا تعالیٰ کے منشاء سے آگاہ فرمایا ہے۔ کہ تم اپنی عورت سے حُسن سلوک کرو۔ نہ صرف اس وقت جبکہ وہ تمہاری بیوی ہے بلکہ اس وقت بھی جبکہ وہ تم سے علیحدہ ہو رہی ہے ہمیں ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو بہت اچھی طرح نوازا ہے۔ بے شک اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے عورتوں کی انسانیت کو نمایاں کر کے دکھایا ہے۔ اور رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے عورتوں کو بلحاظ انسانیت برابر کے حقوق عطا کیئے ہیں۔ اور تمہیں حیرت ہوگی کہ دوسرے کسی پیشوا کی تعلیم میں اس کا دسواں حصّہ بھی تمہیں نہیں ملے گا۔ یہ صرف اور صرف اسلام کو فوقیت حاصل ہے کہ اسلام نے اُس عورت کو جو کبھی زندہ گاڑھی جاتی تھی۔ زمین اُس کو اپنی باہوں میں سمیٹے یا اچھال پھینکے وہ زمین دوز کر دی جاتی تھی۔ کوئی بابا۔ بابا یا امّی جان پکارنے والی دل دوز چیخیں ہاتھ نہیں روک سکتی تھیں۔ اور اِدھر بابا کا سینے سے باہر آتا ہُوا دل اپنے ہی جگر گوشہ کو زمین کا پیٹ چیر کر زندہ دفن کر آتا تھا۔ اور وہ کون تھا؟ بیٹی کا باپ یعنی مرد اور ایک

باپ کا بیٹا جو کبھی ماں کو ورثہ میں تقسیم کر دیتا تھا۔ اور یہ بھی تھا بیٹا یعنی مرد
جس نے بیٹی کو دفن کیا اور ماں کو تقسیم۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مگر

زمین و آسمان کی رحمتیں نازل ہوں۔ وجہ تخلیق کائنات پر کہ جب تشریف لائے تو
ظلمت کو نور سے تبدیل کر دیا۔ اور زمین کے اندھیرے کو اُجالے سے بدل کر
مدفون عورت کو قرۃ العین کا لقب عطا کیا۔ اور اس ورثہ میں تقسیم ہونے والی
ماں کو ہی وارث بنا دیا۔ اُس کے پاؤں تلے جنّت کی نشان دہی فرما کر بیٹوں کو
ہمیشہ ہمیش کے لئے فرمانبردار اور مطیع بنا دیا۔ اے خدا کے محبوب بے شک تو
رحمۃ العالمین ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَ
مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

اچھا تو طریق کار کی بات ہو رہی تھی۔ چونکہ یہ ابغض الحلال چیز ہے۔ اس لئے
عورت کی نزاکت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مزید راہ نمائی بھی فرمائی ہے۔ سب سے پہلے
یہ ہدایت فرمائی کہ اگر تمہیں ناگزیر حالات کی بنا پر آزاد کر ہی دیں تو تم تین طُہر تک
اپنے آپ کو روکے رکھو۔ تاکہ اس اثنا میں خاوند کو سوچنے کا موقع اور غور کرنے
کی مہلت مل جائے۔ اگر اس کے دل میں تمہاری کچھ بھی محبت ہوگی تو وہ رجوع کر سکے
گا۔ کچھ اس قسم کی ہدایات کے بعد خدا تعالیٰ نے عورت کے رشتہ داروں کو بھی آگاہ
کیا ہے کہ انہیں میاں بیوی کے تعلقات میں روک نہیں بننا چاہیئے۔ اگر خاوند
اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہوئے رجوع کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ کسی اور کی نسبت
اُس عورت کا زیادہ حقدار ہے۔ اور وہ عدت میں اپنی عورت کو واپس لوٹا سکتا ہے۔
"رجوع کے متعلق بھی واضح ہدایت ہے کہ چار ماہ کے ختم ہونے سے پہلے

رجوع ضروری ہے۔ اگر چار ماہ کے اندر رجوع نہ کرے تو اس مدّت
کے گزرنے کے بعد عورت کو خود بخود طلاق ہو جائے گی۔"

(امام ابو حنیفہ رح)

"اگر چار ماہ گزرنے کے بعد کوئی شخص رجوع نہ کرے تو اُسے قاضی مجبور
کرے گا کہ رجوع کرے یا طلاق دے۔ اور اگر مرد دونوں باتوں میں سے
کوئی بھی نہ کرے گا تو قاضی اس کی طرف سے طلاق دلا دے گا۔"

(امام مالک رح)

اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ

اس آخری فیصلہ کے بعد بھی خدا تعالیٰ نے مرد کو احسان کرنے کی طرف توجہ دلائی
ہے۔ نہ صرف توجہ بلکہ تاکیدی حکم دیا ہے۔ فرماتا ہے۔ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ یاد
رہے یہاں لفظ احسان میں صرف مہر کا دیا جانا ہی شامل نہیں ہو گا۔ بلکہ مہر تو اُس کا
حق تھا جو ادا کرنا فرض تھا۔ اسلئے احسان سے مراد وہ تمام تحائف، جائیداد
زیورات اور پارچہ جات وغیرہ وغیرہ ہیں۔ اس میں بے شک سونے کا پہاڑ بھی
ہو سکتا ہے۔ اگر مرد دے چکا ہے تو واپس نہ لے۔ یعنی احسان و مروّت کا اعلیٰ ترین
نمونہ دکھانے کا حکم دیا ہے۔

"پس ایسی طلاق جس میں رجوع ہو سکے دو دفعہ ہو سکتی ہے۔ پھر یا تو
مناسب طور پر روک لینا ہو گا یا حسن سلوک کے ساتھ تیسری طلاق دیکر
رخصت کر دینا ہو گا۔ لہٰذا ایک ہی نشست میں تین طلاقیں دینے کے
بعد اگر کوئی شخص پشیمان ہوا اور رجوع کرنا چاہے تو اُس کو رجوع کے حق
کو تسلیم کیا جائے گا۔ اور رجوع کا حق امام مالک رح کے فتویٰ کے مطابق چار ماہ
ہے۔ اور اگر چار ماہ گزرنے کے بعد کوئی شخص پشیمان نہ ہو۔ تو قاضی اُسے

مجبور کرے گا کہ رجوع کرے یا طلاق دے اور اگر مرد دونوں باتوں میں سے کوئی نہ کرے تو قاضی اس کی طرف سے طلاق دلا دے گا۔"

(امام مالکؒ)

"فقہ حنفیہ احمدیہ کے نزدیک تین طلاقوں کا حق یا تو تین رجعی[1] طلاقوں کی صورت میں استعمال ہوگا۔ یا تین بائن[2] طلاقوں کی صورت میں جس کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک طلاقِ رجعی دے۔ پھر عدت کے دوران رجوع کرے۔ تو وہ ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس کے بعد اگر وہ دوبارہ طلاق رجعی دے۔ اور پھر عدّت کے اندر رجوع کرے تو یہ اس کی طرف سے دوسری طلاق واقع ہو جائے گی۔ اب اُس کے بعد جب تیسری مرتبہ طلاق دے گا تو وہ طلاق بتہ ہوگی۔ اور اب عدت کے اندر رجوع کرنے اور عدت کے بعد نکاح کرنے کا حق باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ وہ اپنا طلاق دینے کا حق تین مرتبہ استعمال کر چکا ہے۔"

(فقہ احمدیہ حنفیہ ص۸۶)

اب خلع کی تشریح مختصر لفظوں میں کرتی ہوں۔ خلع بھی ایک ناہموار راستہ ہے۔ مگر بڑی مجبوری کا سودا ہے۔ البتہ اس سودے میں نہ تو کوئی مہلت ہے۔ نہ کوئی درجہ اور نہ کوئی PROCESS ہے۔ بس اتنا سا سودا ہے کہ اپنی بیزاری کے جواز میں جو

---

[1] :- طلاق رجعی۔ وہ طلاق جس میں خاوند عدت کے اندر بغیر کسی زائد شرط کے رجوع کر سکتا ہے۔ یعنی طلاق واپس لے سکتا ہے۔

[2] :- بائن طلاق۔ وہ طلاق جس میں خاوند رجوع نہیں سکتا البتہ عدت کے بعد یا عدت کے دوران بیوی کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ یعنی عدت گزرنے کے بعد طلاق بائن ہو جائیگی۔

(فقہ احمدیہ حنفیہ ص۸۱، ۸۲)

کچھ بطور تحائف شوہر سے لیا ہو واپس لوٹا کر آزادی خرید لو۔ مگر یاد رہے کہ میری قوم کی بچیاں بہت زیادہ عزت نفس کی حامل ہیں۔ وہ بہت آخری اسٹیج پر جا کر اظہار بیزاری کرتی ہیں۔ اور پھر ہزار بار سوچ کر ایسا کرتی ہیں۔ میری قوم کی بچی کبھی بھی آوارگی کی بناء پر ایسا نہیں کرتی۔ اِلّا ماشاءاللہ۔

پس واضح ہو کہ پہلی طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے مگر خلع کی کوئی تعداد اور عدت نہیں ہوتی۔ بلکہ خلع کے بعد رجوع کا امکان نہیں۔ ہاں خلع کے بعد صلح ہو سکتی ہے۔ یعنی دونوں فریقین اپنی رضامندی سے رہ سکتے ہیں۔ مگر دوبارہ نکاح کے بعد۔ گویا خلع بھی معاہدہ نکاح کا خطِ تنسیخ ہے جو قاضی صاحب عورت کی درخواست پر بعد از جانچ پڑتال کھینچ دیتے ہیں۔ یہ بالکل بجا ہے کہ بعض اوقات ناقص العقل بیوی کسی لالچ کے نتیجہ میں آ کر غلط قدم اُٹھا لیتی ہے۔ اِسی لئے تو خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ کہ اگر عورت رقم دے کر آزادی چاہیئے۔ تو وہ گنہگار ہے۔ ہاں خاوند کی دی ہوئی مراعات اور رقومات واپس دے کر وہ آزادی مانگ لے تو یہ جائز ہے اور اس کا اُسے حق ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں خاوند کی تھیں۔ خاوند کو چھوڑتے وقت سامان چھوڑ دینا واجب اور قطعی واجب ہے۔ جب خاوند کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تو اُس کی چیزیں بھی چھوڑ دینے میں مضائقہ نہیں۔ لہٰذا قرآن مجید کے فرمان کے مطابق خاوند کی دی ہوئی کئی چیزیں دے کر چھٹکارا پانا عین جائز ہے۔ اور گناہ نہیں۔

لیکن

خاوند اگر تلخیوں کے سمندر میں غرق کرنے کے بعد معلقہ چھوڑنے پر اصرار کرے (اور خلع لینا ضروری ہو جائے بوجہ مجبوری مگر عورت خلع مانگے نہیں) اور مطلقہ کرنے کا ارادہ کر کے تقاضۂ رقم کرے۔ اور ایسی صورت میں جان چھڑانے کے لئے بیوی اپنے

پاس سے یا اپنے والدین سے رقم لے کر دے اور طلاق حاصل کرے تو ایسی آزادی حاصل کرنا قطعی گناہ ہے۔ اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کو جدائی کا شوق لاحق ہے اور وہ مرد سے آزاد ہونے کے لئے مال و متاع دے رہی ہے۔ خلع اسلئے نہیں مانگ رہی کہ قاضی کا عمل دخل ضروری ہے جہاں حالات سامنے آجائیں گے اسلئے خلع سے ہٹ کر ایک راستہ طلاق کا نکال لیا اور خلع کی طرح رقم اپنے قبضہ سے دے دی تو یہ قطعی گناہ ہے کیونکہ علیحدگی کا شوق ظاہر ہوتا ہے۔ ہاں ایک نکتہ ہے کہ اگر دونوں پر شبہ ہو رہا ہو کہ وہ مال دینے اور لینے سے گنہگار ہو رہے ہیں تو قاضی کی تحقیق کے بعد جدائی مناسب خیال کی جائے گی اور اس طرح ایک تیسرا شخص فیصلہ کر دے گا کہ یہی طریق مناسب ہے۔

کیونکہ مرد لالچ میں ایسا کر دیتا ہے اور عورت شوقِ آزادی میں ایک گناہ کا قدم اُٹھا لیتی ہے۔ دونوں کو اپنی اپنی جگہ لالچ لاحق تھا۔ مرد کو روپے پیسے کا لالچ اور عورت کو آزادی و علیحدگی کا لالچ سوار تھا۔ اصل میں لالچ کا لفظ ہی اپنے اندر ایک طوفان رکھتا ہے کہ جس کسی نے یہ طوق لالچ پہن لیا وہ ایک ایسے اندھیرے میں جا گرا کہ اُسے شناخت بھول گئی۔ آنکھوں نے بصارت اور ذہن نے بصیرت کھو دی۔ اور دونوں جائز اور ناجائز کی پہچان بھول گئے۔ پس رقم دے کر طلاق لینا قطعی ناجائز ہے۔

بابِ دہم

سہیل! تم یقیناً اس وقت اس انتظار میں ہو کہ میں تجزیہ کروں کہ آخر ایسی صورتِ حال کن حالات سے پیدا ہوئی کہ مردوں نے طلاق کو محبوب مشغلہ بنا لیا اور جو سہولتیں عورت کو دی گئی تھیں وہ آزار بن گئیں اور جو مفید پابندیاں طلاق کے ضمن میں شوہروں پر لگائی گئی تھیں وہ ان کے لئے انعام بن گئیں آخر کیوں؟ تو یاد رہے کہ میں تجزیہ کرنے کی کیفیت میں نہیں ہوں۔ آپ محبوبات حصہ اوّل میں تجزیہ بخوبی پڑھ سکتے ہیں۔ یہاں صرف یہ کہوں گی کہ بزرگوں نے تمہیں تعلیم کے زیور سے مزین نہ کر کے قعرِ مزلت میں گرا دیا ہے۔ ورنہ کوئی بات نہ تھی کہ تمہیں خیر و شر میں امتیاز باقی نہ رہتا۔ دین کی تعلیم حضور بانیٔ سلسلہ عالیہ کی کتب کا مطالعہ تفاسیر قرآن مجید۔ فقہ و فتویٰ۔ خطبات کا شغف تمہیں ڈائجسٹ کی طرح ڈال دیا جاتا تو آج تم خلیفۂ وقت کے لئے دردِ سر نہ ہوتے۔ تعلیم و تربیت کے وقت میں تمہیں کمانے کی طرف متوجہ کر دیا۔ وہ قیمتی وقت جو دورِ تعلیم تھا کسی جدوجہد کا مقرر کر دیا۔ اس طرح تم بہترین زمانہ کھو بیٹھے۔ لہٰذا تربیت اور اصلاح اخلاق جو اعلیٰ دینی و دنیوی تعلیم کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں تم سے رخصت ہوئے اور تمہاری جھولی میں اس وقت چند سکے ضرور ہیں۔ مگر یاد رکھو یہ سکے بہت جلد آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے کیونکہ میانہ خرچ و اخراجات کے بھی آپ عادی نہیں اور آئندہ فقدان قناعت کی بناء پر بھی مشکلات درپیش رہیں گی۔ اور آپ چار و ناچار طیش و ناچاقی کی زندگی میں داخل ہو کر عبادالرحمٰن کے سرکل سے

باہر آجاؤ گے۔ اور اپنی شناخت بھول جاؤ گے۔ پھر ساتھی کے لئے جو ذمہ داریاں آپ کے کندھوں پر بوقت نکاح ڈالی گئی تھیں اُن سے راہِ فرار کا نسخہ تلاش کرو گے جو آخر کار طلاق و خلع پر جا ختم ہوگا۔

لہٰذا اس وقت لازم یہ ہے کہ ہم اُن راستوں کو اپنائیں جو شاہ راہوں کی شکل میں زندگی کے ہر موڑ پر ہمیں مل رہے ہیں۔ اور ہر روشنی کے مینار سے ایک آواز آپ کے درو دروازہ پر دستک دے رہی ہے کہ دل کے کنڈے کھول دو اور امام زماں کی آواز کو سنو۔ اس دور میں نجات پانے کے لئے واحد ایک ہی دروازہ کھلا ہے اُسی کو کھٹکھٹاؤ اور وقت کی آواز جو خطبات کی شکل میں تمہارے ہاتھ میں تھما دی جاتی ہے۔ دل و جان سے قبول کرو۔ اور یہی تجدید دین کی راہیں ہیں۔ ابھی ابھی چند دن ہوئے آپ کے پاس پانچ گرُ اخلاقِ اعلیٰ پیدا کرنے کے گرُ پیش کئے گئے تھے۔ جن کی تاثیر تریاق سے بھی بڑھ کر ہے۔ مَیں بھی انہیں مختصر لفظوں میں بیان کرتی ہوں تاکہ مکرر سہ مکرر چند محبوب ترین جملے تمہیں پڑھنے کے لئے ملیں اور تمہارے دل و دماغ پر نقش ہو جائیں۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

گرُ اوّل :۔

پہلے نمبر پر اخلاقی تعمیر کے لئے جو بنیادی اینٹ آپ نے رکھی ہے وہ ہے

سچ کی عادت

بیشک۔ آپ فرماتے ہیں :۔

”میرے نزدیک جب تک بچپن سے سچ کی عادت نہ ڈالی جائے۔ بڑے ہو کر سچ کی عادت ڈالنا بڑا مشکل ہے۔“

پھر بھی نیکی و تقویٰ کو اپنانے کے لئے عمر کی حد مقرر نہیں گو حضور کے فرمان کے مطابق

مشکلات ضرور پیش آئیں گی۔ تاہم سہیل یہ بات یاد رہے کہ یہ کہہ کر چھوڑ دینا کہ ہم بڈھے طوطے ہیں اور سچ کی عادت بچپن میں ہی نہیں ڈالی گئی اور یہ کو تاہی تربیت کرنے والے اور ماں کے کھاتے میں ڈال کر چھٹکارا مل جائے گا۔ یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہوگا۔ اس بات پر ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ نجات پانے کے لئے صالح بننا پڑے گا اور شاید تمہیں علم ہے کہ صالح بننے کے لئے بھی سچا ہونا ضروری ہے۔

”سچ بولنا بھی مختلف درجات سے تعلق رکھتا ہے اور مختلف مراحل سے تعلق رکھتا ہے اور کم سچ۔ اور زیادہ سچ۔ اور اُس سے زیادہ سچا اور اُس سے زیادہ سچا۔ اتنے بے شمار مراحل ہیں سچ کے بھی کہ ان کو طے کرنا بالآخر نبوت تک پہنچاتا ہے۔ اور صدیق کے مرحلے سے آگے خدا تعالیٰ نے جو سچائی مقام تجویز فرمایا ہے اس کو نبوت کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔

الغرض سچ کے بغیر کسی اعلیٰ قدر کی کسی اعلیٰ منصوبے کی تعمیر ممکن نہیں ہے۔“

ادب اور پاک زبان کا فقدان جھگڑوں کی جڑ ہے

دوئم گرُ :۔ جو تربیت اور اعلیٰ اخلاق کی تعمیر کے لئے آپ نے وضاحت سے فرمایا ہے۔ وہ

نرم اور پاک زبان کا استعمال ہے

آپ فرماتے ہیں :۔

”یہ بھی بظاہر چھوٹی سی بات ہے۔ ابتدائی چیز ہے لیکن جہاں تک مَیں نے جائزہ لیا ہے۔ وہ سارے جھگڑے جو جماعت کے اندرونی طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ یا ایک دوسرے کے تعلقات میں پیدا ہوتے ہیں اُن میں جھوٹ کے بعد سب سے بڑا دخل اس بات کا ہے کہ بعض لوگوں

کو نرم خوئی کے ساتھ کلام کرنا نہیں آتا - اُن کی زبان میں درشتگی پائی جاتی ہے - اُن کی باتوں اور طرز میں تکلیف دینے کا ایک رجحان پایا جاتا ہے - جیسے بسا اوقات وہ باخبر ہی نہیں ہوتے - جس طرح کانٹے دُکھ دیتے ہیں اور اُن کو پتہ نہیں - کہ ہم کیا کر رہے ہیں اسی طرح ایسے اگر مرد ہوں تو اُن کی عورتیں بے چاری ہمیشہ ظلموں کا نشانہ بنی رہتی ہیں - اور اگر ایسی عورتیں ہوں تو مردوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے ۔"

عزیزم سُنا تم نے ؟ دُکھ کے کانٹے بننے سے حضور نے منع فرمایا ہے - اور جب یہ کانٹے گھروں میں بکھر جاتے ہیں تو ایک گندی نسل پیچھے چھوڑ کر جاتے ہیں یہ نسل آئندہ زمانوں میں قوم کو تکلیفوں اور دکھوں سے بھر دے گی - یہ کتنی بڑی حقیقت آپ نے چند جملوں میں بیان فرمائی ہے کہ دُکھ کے کانٹے دکھ سے گھروں کو معاشرہ کو اور زمانے کو بھرتے ہی جائیں گے مگر ان کو خود خبر تک نہیں ہو گی کیونکہ وہ ایسی تعلیم و تربیت سے مزیّن کئے گئے ہیں - کہ دُکھ دُنیا اُن کا نصب العین ہے اور وہ اسی میں ہی سُکھ پاتے ہیں - یہ کوئی تخلیقی عنصر نہیں ہے کہ دُور نہ کیا جا سکے - یا نرم خوئی - ادب اور محبّت صرف تربیت اور لگن سے پیدا نہ ہو سکیں - پس

" روزمرّہ کے حُسنِ سلوک اور ادب کی طرف غیر معمولی توجہ دینے کی ضرورت ہے - اور یہ بھی گھروں میں اگر بچپن ہی میں تربیت دے دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی آسانی کے ساتھ یہ کام ہو سکتے ہیں لیکن جب یہ اخلاق زندگی کا جزو بن چکے ہوں - جب ایسے بچے بڑے ہو جائیں - تو پھر آپ دیکھیں گے کہ سکول میں جائیں تو کلاسوں میں یہ بچے بدتمیزی کے مظاہرے کرتے ، شور ڈالتے ، ایک دوسرے کو تکلیفیں

پہنچاتے ہیں اور اساتذہ کے لئے ہمیشہ سر درد بنے رہتے ہیں . . . . ان بچوں کی تربیت کرنا بڑا مشکل کام ہے - اور ہم نے جو تربیت کے بڑے بڑے کام کرنے ہیں - وہ ہو ہی نہیں سکتے اگر ابتدائی طور پر یہ مادہ تیار نہ ہو - مادہ تیار ہو تو پھر اس کے اُوپر جتنا کام آپ کرنا چاہیں جتنا اُس کو سجانا چاہیں اتنا اس کو سجا سکتے ہیں - لیکن وہ مٹی ہی نرم نہ ہو اور اس کے اندر ڈھلنے کی طاقت نہ ہو تو پھر کیسا بڑا صنّاع ہی کیوں نہ ہو وہ اس مٹی کو خوبصورت شکلوں میں تبدیل نہیں کر سکتا ۔"

(فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نومبر ۱۹۸۹ء)

پس منافقین اور بدخلقیوں سے نجات پانے کے لئے اشد ضروری ہے کہ زبان کا ادب انہیں سکھایا جائے اور اس طرح احترام انسانیت -

چھوٹے حوصلے ہمیشہ بدتمیز زبان پیدا کرتے ہیں

تیسرا اگر جو اعلیٰ اخلاق کی تعمیر کرے گا وہ ہے وسعت حوصلہ " یعنی حوصلہ کو بلند رکھنا بنیادی چیز ہے - . . . . حوصلہ اپنے عمل سے پیدا کیا جاتا ہے - اور وہ ماں باپ جن کے دل میں حوصلے نہ ہوں وہ اپنے بچوں میں حوصلے پیدا نہیں کر سکتے - اور نرم گفتاری کا بھی حوصلے سے بڑا گہرا تعلق ہے - چھوٹے حوصلے ہمیشہ بدتمیز زبان پیدا کرتے ہیں - بڑے حوصلوں سے زبان میں بھی تحمل پیدا ہوتا ہے - اور زبان کا معیار بھی بلند ہوتا ہے - پس محض زبان میں نرمی پیدا کرنا کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ حوصلہ بلند نہ کیا جائے ۔" یہاں ایک بات اور قابل توجہ ہے کہ اگر طلاق و خلع میں صرف اور صرف وسیع حوصلگی کا مظاہرہ کیا جائے تو معاملات بہت حد تک سُلجھ جائیں گے - عموماً مرد چھوٹی باتوں پر کم حوصلگی دکھا کر نرم گفتاری سے کام

نہیں لیتا اور نتیجہ آخر پریشان کُن نکلتا ہے۔ حضور خلیفۃ المسیح الرابع اس ضمن میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ:۔

"جن کے حوصلے بلند ہوں وہ پھر بڑے ہو کر نقصان برداشت کرنے کے بھی زیادہ اہل ہو جاتے ہیں۔ بعض دفعہ آفاتِ سماوی پڑتی ہیں اور دیکھتے دیکھتے انسان کی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ جن کو چھوٹی چھوٹی باتوں کا حوصلہ نہ ہو وہ ایسے موقعوں پر پھر خدا سے بدتمیز ہو جاتے ہیں۔ اور بے حوصلگی کے ساتھ خود غرضی کا ایک ایسا گہرا رشتہ ہے۔ کہ اس خود غرضی کے نتیجہ میں ہر دوسری چیز اپنی تابع دکھائی دینے لگتی ہے۔ اگر وہ فائدہ پہنچا رہی ہے تو ٹھیک ہے۔ ذرا سا بھی نقصان کسی سے پہنچے تو انسان حوصلہ چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اور جب بندوں سے بے حوصلگی شروع ہو تو بالآخر انسان خدا سے بھی بے حوصلہ ہو جاتا ہے۔"

نیکی کی لذت یابی نیکی کو دوام بخشتی ہے

چوتھا گُر:۔

غریب کی ہمدردی اور دُکھ دُور کرنا چوتھا تعمیری گُر ہے۔ دوسروں کا دُکھ دُور کرنا بھی اپنے اندر ایک لذّت رکھتا ہے اور انسان جب لوگوں کے خصوصاً غرباء کے دُکھ دُور کرتا ہے تو ایک گوناگوں خوشی اور لذت کی کیفیت محسوس کرتا ہے پس نیکی کی لذّت محسوس کرنا نیکی کی طرف راغب کرتا ہے اور اس طرح انسان ہر گھڑی نیکی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح اُسے مستقل نیکی کی طرف بڑھنے کی توفیق ملتی رہتی ہے۔ اور بالآخر اُس کی نیکی کو ایک دوام نصیب ہو جاتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"بچوں کو دکھ والوں کے دُکھ دُور کرنے کی طرف مائل کریں۔ ہر وہ شخص جو مصیبت زدہ ہے کسی تکلیف میں مبتلا ہے یہ احساس پیدا کریں کہ تکلیف دُور ہونی چاہیئے۔ خدمت کا جذبہ ان کے اندر پیدا کریں۔ بچپن میں اگر اس کی عادت پڑ جائے۔ تو اسکے نتیجہ میں بچہ جو لذت محسوس کرتا ہے وہ اس نیکی کو دوام بخشتی ہے...... اور پھر بڑے ہو کر خدام الاحمدیہ میں جا کر یا لجنہ کی بڑی عمر کو پہنچ کر پھر ان تنظیموں کو ان میں محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ اور بنے بنائے با اخلاق افراد قوم میسّر آئیں گے جو پھر بڑے بڑے کام کرنے کے لئے اپنے آپ کو مستعد اور تیار پائیں گے۔

نرم دل بھی عظمت کا پہاڑ بن سکتا ہے

پانچواں گُر:۔ پانچواں اور آخری گُر تعمیرِ اخلاق کے لئے مضبوط عزم اور ہمت ہے۔

"مضبوط عزم اور ہمت اور نرم دلی اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ اگر یہ اکٹھے نہ ہوں تو ایسا انسان کمزور تو ہوگا با اخلاق نہیں ہوگا۔ نرم دل جب آپ پیدا کرتے ہیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسا نرم دل انسان اور ایسا نرم خو انسان مشکلات کے وقت گھبرا جائے۔ اور مصائب کا سامنا کرنے کی طاقت نہ پائے۔"

پھر اس کے بعد قدرت ثانیہ کے چوتھے مظہر نے حضرت ابوبکرؓ کے عزم صمیم کی مثال سامنے رکھ کر وضاحت فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ کا دل نرم اور لطیف تھا۔ اور نرم خوئی کے باوجود جب مشکلات کا دور

شروع ہوا تو آپ نے حیرت انگیز عزم کا مظاہرہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"حضرت ابوبکرؓ نے اُس وقت اپنے نرم دل سے عظمت کا ایک پہاڑ نکلتا ہُوا دنیا کو دکھایا۔"

سلسلہ عالیہ احمدیہ سے وابستہ ہونے والوں کی سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں ہونا چاہیئے۔ ...... اس لئے وہ قومیں جنہوں نے دنیا میں بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔ عظیم الشان مقاصد کو حاصل کرنا ہے اور عظیم الشان ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہے۔ جن کی مشکلات کا دَور چند سالوں سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ صدیوں تک پھیلا ہُوا ہے۔ ہر مشکل کو انہوں نے سر کرنا ہے۔ ہر مصیبت کا مَردانگی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ ہر زور آور دشمن سے ٹکر لینی ہے۔ اور اس کو ناکام اور نامراد کر کے دکھانا ہے۔ ایسی قوموں کی اولادیں اگر بچپن ہی سے عزم کی تعلیم نہ پائیں تو آئندہ نسلیں پھر اس عظیم الشان کام کو سرانجام نہیں دے سکیں گی۔ اسلئے بہت ہی ضرورت ہے کہ جہاں نرم کلام بچے پیدا کریں۔ جہاں نرم دل بچے پیدا کریں جہاں نرم خو اولاد پیدا کریں۔ جو دوسروں کی ادنیٰ ترین تکلیف سے بے چین اور بے قرار ہو جائے۔ اور ان کے دل کسی دوسرے کے دل کے غم سے پگھلنا شروع ہو جائیں۔ اسکے باوجود اس اولاد کو عزم کا پہاڑ بنا دیں۔ اور بلند ہمتوں کا ایک ایسا عظیم الشان نمونہ بنا دیں کہ جسکے نتیجہ میں قومیں ان سے سبق حاصل کریں۔

سہیل! یہ پانچ بنیادی اخلاق جن کا کسی بھی انسان میں ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کسی بھی عمارت کی مضبوطی کے لئے سیمنٹ اور لوہا کا ہونا ضروری ہے۔ یا انسانی زندگی کے لئے ہوا اور پانی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ حیات کے بنیادی عنصر ہیں۔ مَیں اُمید کرتی ہوں کہ اگر کوئی خادم خود کو اِن فرمودہ تعمیری اخلاق سے مزین کرے گا تو زندگی خصوصًا ازدواجی زندگی میں سکونت۔ مودّت۔ اور

طمانیت ہر لحاظ سے میسّر آجائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہاں ایک بات کا وعدہ کرو کہ دل کی گہرائی سے تم حروف کے خزانہ سے فائدہ اُٹھاؤ گے۔ محض سونے کے لئے پڑھ کر نیند کی وادی میں اُترنا تمہارا مشغلہ نہیں ہوگا۔

خُداحافظ کہنے سے پہلے ایک اور بات :۔

"پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک گُر بتایا ہے کہ جس پر چل کر انسان کبھی کبھی تکلیف اٹھاتا ہے۔ نقصان نہیں اُٹھاتا اور وہ گُر یہ ہے کہ مستقبل کی فکر کرو۔ اگر ماضی کے خطرات کی طرف نگاہ دوڑاؤ گے تو اسسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ اور اگر تمہارا حال بھیانک ہے اور تم اس کی فکر میں لگ جاؤ گے تو وہ تمہاری ساری طاقتوں کو زائل کر دے گا۔ چاہیئے یہ کہ ماضی اور حال کی الجھن سے نِکل کر اپنا مستقبل سنوارنے کی کوشش کی جائے۔ ......۔ آئندہ کے لئے نیکی کی نیّت کر لو تاکہ تمہارے دشمن نے جو تمہارے خلاف قلعے تعمیر کر رکھے ہیں۔ تم مستقبل میں نیکی کی نیّت کر کے اس کے خلاف قلعے تعمیر کر لو۔ جب تم مستقبل میں نیکی کی نیت کر لوگے تو دیکھو گے کہ تمہارے قلعے دشمن کے مقابلہ میں مضبوط ہوتے چلے جائیں گے۔ اور ایک وقت ایسا آجائے گا کہ تم دشمن پر قابو پا لوگے۔"

قدرتِ ثانیہ کے مظہرِ ثانی پھر مستقبل کو سنوارنے کا بھی گُر بتاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ :۔

"اعمال کو انسان کی خاطر کرنے کی بجائے خدا کی خاطر کرو۔ جب تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری ڈھال بن جائے گا۔ اور جب

خدا تعالیٰ تمہاری ڈھال بن جائے گا۔ تو وہ کب پسند کرے گا کہ بدی
کے تیر تم پر گریں وہ تمہاری ہر طرح سے حفاظت کرے گا۔ کیونکہ اللہ
ہی انسانی اعمال سے پوری طرح واقف ہے۔ انسان تو یہی کر سکتا ہے
کہ نیت درست کرے۔ پس تم نیتیں درست کر لو۔ وہ تمہارے
اعمال کو درست کر دے گا۔ اس طرح تمہارا مستقبل درست ہو
جائے گا اور تمہارے قدم مضبوط ہو جائیں گے۔"

(خطبات محمود حصہ سوئم ص۳۸۷)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حرفِ آخر

سہیل! یوں تو اپنی کتاب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہماری راہ نمائی کے
لئے اخوت و محبت اور باہم معاملہ فہمی کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے۔ لیکن اگر بغور دیکھا
جائے تو عورت کے حقوق پر خصوصی توجہ دی ہے۔ کہیں بحیثیت ماں، بہن، بیوی
اور بیٹی اس کے تمام حقوق کی وضاحت کر دی ہے اور کہیں بحیثیت مطلقہ، بیوہ
معلقہ۔ وارثہ۔ مختلعہ۔ آزاد اور غلام تمام نمونوں سے اس کی نگہداشت فرمائی
ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ انسانی حقوق کی تشریح و تفصیل میں
عورت کو سرورق رکھ دیا ہے۔ الحمدللہ

مگر اس وقت جو مسئلہ ہمیں درپیش ہے۔ یعنی طلاق۔ اس کی اونچ نیچ
کو مدنظر رکھتے ہوئے دیکھیں تو قرآن مجید میں ایک مکمل سورت اسی نام کی
خدا تعالیٰ نے نازل فرما کر تفصیلی ہدایات عطا کی ہیں۔ پھر سورہ البقرہ
اور النساء میں بھی طلاق کے تمام پہلو کا ذکر فرمایا ہے۔ کہیں طریق کار۔ عدت
احسان و مروت۔ حسن سلوک۔ روٹی کپڑا اور مکان کا مطالبہ (شوہر طلاق دینے
والے) سے کر ڈالا ہے۔

فرماتا ہے:۔

"اگر تم طلاق دینے کا عزم کر ہی چکے ہو۔ تو اللہ یقیناً بہت
سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔" (البقرہ: آیت ۲۲۸)

کس حسن سے بیان فرماتا ہے کہ ٹھیک ہے۔ جب تم یہ ناپسندیدہ حق استعمال
کر ہی چکے ہو تو معروف نمونہ رہائش و رخصت۔ حسن سلوک اور خصوصی رعایتوں
کو فراموش نہ کرنا بلکہ ان کی ادائیگی کی طرف توجہ دینا لازمی امر ہے۔

پھر عورتوں کو تسلی دے کر فرماتا ہے کہ تمہارے حقوق کی حفاظت ہم نے
کر دی ہے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فرما کر طریق کار کا ذکر فرماتا ہے۔ اور مردوں
کو خواہ مخواہ من مانی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ ایک ناپسندیدہ اجازت ہے
جو مل گئی۔ مگر اس کے ساتھ کچھ قیود بھی ہیں اور کچھ حدود بھی ہیں۔ تاکہ مرد پٹڑی
سے اتر نہ جائے۔ اور بامر مجبوری اس اجازت کو استعمال کرے۔

تم نے دیکھا! بائن طلاق اور رجعی طلاق کی تشریح فرما کر عورتوں کے لئے
آسانی پیدا کر دی اور وقفہ دیا ہے کہ فریقین کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی عدت کے
اندر ہی علیحدگی کو مودت میں بدل سکیں۔ مثلاً فرمایا کہ:۔

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ یعنی طلاق وہی بائن ہوتی ہے کہ پہلے طلاق دے
پھر تین مہینے تک انتظار کرے۔ جب تین عدتیں گزر جائیں پھر اسی طرح ایک
دفعہ کرے۔ جب تیسری دفعہ ایسا کرے تو پھر نکاح جائز نہیں۔ جب تک وہ
عورت پھر دوبارہ نکاح نہ کرے۔"

(تفسیر صغیر ص۶۰ بقیہ حاشیہ ص۵)

پھر ایک اور صورت کو واضح کیا ہے۔ کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو ایسی صورت
میں طلاق دے کہ وہ حاملہ ہو اور وضع حمل کے بعد بچے کے دودھ پلانے کی عمر شروع
ہو جائے تو ایسی صورت میں دو جانیں اضطراب میں آجائیں گی۔ اس لئے حکم
تاکیدی فرمایا کہ:۔

"ماں بچے کو دودھ پلائے اور خاوند اس کا خرچ ادا کرے اپنی ہمت

اور استطاعت کے مطابق روٹی۔ کپڑا اور مکان کا تسلی بخش انتظام
کرے۔ جہاں خود رہتا ہے یا جیسے خود رہتا ہے مطلقہ کو بھی عرصہ
۲ سال تک ضروریات ادا کرے اور ویسے ہی رکھے۔

(سورۃ البقرہ آیت ۲۳۴)

بہرحال قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں یہ تو ثابت شدہ امر ہے کہ
طلاق کے نقصانات اپنی جگہ زیادہ ہیں کیونکہ بنے بنائے آباد گھر اس جلد بازی
سے ٹوٹ کر برباد ہو جاتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے تو اسے
"اَبْغَضُ الْحَلَالِ" قرار دیا ہے کہ اس فعل نے ایک دینی تقدس والے معاہدہ
نکاح کو پامال کر دیا ہے۔ کیونکہ زیادہ متاثر عورت ہوتی ہے اسلئے عورت کے لئے
ہر جہت سے حقوق بیان فرما دیئے ہیں۔ اور ان کی ادائیگی پر زور بھی دیا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے بھی اسی طرح بہت دکھ سے اس عمل کا ذکر
فرمایا ہے۔ اور مردوں کو جلد بازی سے قطعی منع فرمایا ہے۔ تاہم جب ذہنی و جسمانی
اذیت اور بے چینی پیدا ہو جائے تو تمام راستوں پر قدم پھونک پھونک کر
رکھنے کی تاکید کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"جائز چیزوں میں سب سے زیادہ برا خدا اور اس کے رسولؐ نے
طلاق کو قرار دیا ہے اور یہ صرف ایسے موقعوں کے لئے رکھی گئی ہے
جب کہ اشد ضرورت ہو۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے جو رب ہے سانپوں اور
بچھوؤں کے لئے خوراک مہیا کی ہے ویسا ہی ایسے انسانوں کے لئے
جن کی حالتیں بہت گری ہوتی ہیں۔ اور جو اپنے اوپر قابو نہیں رکھ
سکتے طلاق کا مسئلہ بنا دیا ہے۔ کہ وہ اس طرح آفات اور مصیبتوں
سے بچ جاویں۔ جو طلاق کے نہ ہونے کی صورت میں پیش آئیں یا بعض

اوقات دوسرے لوگوں کو بھی ایسی صورتیں پیش آجاتی ہیں اور ایسے واقعات
ہو جاتے ہیں کہ سوائے طلاق کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا پس اسلام
نے جو کہ تمام مسائل پر حاوی ہے یہ مسئلہ طلاق کا بھی رکھ دیا ہے اور
ساتھ ہی اس کو مکروہ بھی قرار دیا ہے"۔

(ملفوظات جلد نہم ص ۳۵۹)

سہیل بیٹے! ہم حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی سند کہ طلاق
مکروہ ہے لیکر آگے چلتے ہیں۔ اور کچھ ایسے سوالوں کا جواب ترتیب دیتی ہوں
جو مجھ سے گاہے گاہے پوچھے گئے ہیں اور کچھ ذہن نشینی کے لئے مکرر تحریر کرتی
ہوں۔ یہ تمام جوابات مستند ہیں اور ترتیب دیتے ہوئے حوالجات ہر صفحہ پر
درج ہیں:۔

سوال نمبر ۱۔ طلاق کے معنے کیا ہیں؟

جواب:۔ "طلاق کے لفظی معنے "ازالۃ القید" کے ہیں یعنی قید سے رہائی
اور آزادی دینا اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ مرد کی طرف سے تعلق نکاح کو
ختم کیا جائے اور وہ زبانی یا تحریری طور پر یہ کہہ کر کہ میں تجھے طلاق دیتا
ہوں عورت کو اُس پابندی سے آزاد کر دے جو معاہدہ نکاح کے
ذریعہ اس پر عائد ہوئی تھی۔ طلاق دیتے وقت خاوند کے لئے یہ ضروری
نہیں کہ وہ طلاق کی کوئی وجہ بیان کرے۔ شریعت نے وجہ بیان نہ کرنے
کی جو آزادی دی ہے اس میں عظیم مصلحتیں ہیں کیونکہ شارع کا منشاء
یہ ہے کہ طلاق اگر ناگزیر ہی ہو جائے تو ناچاقی کی وجوہات کو منظر عام
پر لائے بغیر ہی طلاق دی جاوے تاکہ عورت کے مزعومہ نقائص یا کمزوریوں
کا چرچہ نہ ہو"۔ (فقہ احمدیہ حنفیہ ص ۶۸)

صریح طلاق کے لئے تین الفاظ ہیں۔

طلاق - فراق - سراحت

چونکہ یہ ہر سہ الفاظ قرآن مجید میں طلاق کے معنے میں استعمال ہوئے ہیں۔
اس لئے امام شافعیؒ کے نزدیک یہ تینوں الفاظ صریح طلاق کا حکم رکھتے ہیں
چونکہ طلاق کا لفظ عورت اور مرد کی جدائی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس
ضمن میں یہ لفظ اصل الاصول ہے۔

سوال نمبر ۲:۔ رجعی طلاق اور بائن طلاق سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ رجعی جیسا کہ لفظ سے ظاہر ہے رجوع کرنے کے معنے میں لیا گیا ہے۔
(۱) "طلاق کے بعد عدت میں رجوع کا حق رہتا ہے"۔ (اس کا یہی مطلب ہے)۔
خواہ اس کی بیوی اس رجوع پر رضامند نہ ہو"۔ (سورۃ البقرہ: ۲۸ رکوع)
(۲) اس طلاق کے دو گواہوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔
(۳) طلاق واضح لفظوں میں دی جانی لازمی ہے۔

مزید وضاحت:۔

یہاں ایک بات اور واضح ہو جائے تو پسندیدہ امر ہے۔ مثلاً
"وہ شخص جو اپنی بیوی کو رجعی طلاق دے اور وہ گھر سے باہر ہو۔ پھر
گھر سے باہر ہی رجوع کی نیت کرلے اور اپنی بیوی کو اسکی اطلاع
بھجوا دے۔ لیکن اس کی بیوی کو طلاق کی اطلاع تو پہنچے مگر رجوع
کی اطلاع نہ پہنچے اور اسکی بیوی عدت گذار کر دوسرا نکاح کرے
پھر پہلا خاوند بھی وہاں پہنچ جائے تو اس کے متعلق امام مالکؒ
کا فرمان ہے کہ وہ عورت اس کی بیوی ہے جس نے اس کے ساتھ طلاق
کے بعد نکاح کر لیا ہے"۔

لیکن

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے متعلق ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں آپ کا مذہب یہ تھا کہ اُس کے پہلے خاوند کو دو باتوں میں سے ایک اختیار ہے۔ یا تو اپنی بیوی کو اختیار کرے یا اُس کو دیا ہوا حق مہر واپس لے لے"۔

سوال نمبر ۳:۔ عدت کی تشریح کریں؟

عدت سے مراد وہ عرصہ جو عورت طلاق کے بعد یا خاوند کی وفات کے بعد گزارتی ہے۔ عدت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس اثناء میں کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی۔ یہ عرصہ مختلف حالات میں مختلف ہوتا ہے مثلاً

(۱) **طلاق** ہو جانے کے بعد عورت کو تین قروء انتظار لازم ہے۔ یعنی اُس کی عدت تین طہر ہے۔ اس کے بعد وہ آزاد ہے کہ اپنے فرائض پہچانے۔

(۲) وہ عورت جو **بیوہ** ہو جائے۔ تو خاوند کی وفات کے بعد اُسے چار ماہ دس دن عدت میں رہنا پڑے گا۔ اس پر لازم ہو گا کہ وہ یہ عرصہ گھر میں ہی گزارے اور اس تمام عرصہ میں ایسی زینت سے اجتناب کرے جس سے مردوں کے دل میں کشش پیدا ہوتی ہو۔ مثلاً زیور پہننا۔ سرمہ کاجل لگانا رنگدار بھڑکیلے کپڑے پہننا وغیرہ وغیرہ۔ تقریباً کچھ سادگی اختیار کرنا۔ اور زینت کو ترک کر دینا۔ گھر سے باہر نہ نکلنا۔ عام معاشرہ کی عورتوں کے لئے ہے مگر جو کام کرنے والی غریب اور غلام عورتیں ہیں ان کے لئے اسلام نے نرمی کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ وہ ۴ ماہ ۱۰ دس دن گھر میں بیٹھ کر گزارہ نہیں کر سکتیں۔ انہیں دوسروں کا کام کاج کرنے کے لئے جانا ہی پڑتا ہے۔ عدت وفات اور عدت طلاق میں صورت حال تقریباً ایک جیسی ہی ہے۔ البتہ

مختلعہ کے لئے عدت صرف ایک حیض ہے۔ جبکہ صحیح الصحت عورتیں طلاق کے بعد تین حیض تک عدت میں رہیں گی۔ یاد رہے کہ طلاق حالتِ طہر میں دی گئی ہو۔ (بدایۃ المجتہد ص۲۱۵)

اور وہ عورتیں جو حمل سے ہوں ان کی عدت وضع حمل تک ہے اور نابالغہ کے لئے عدت تین ماہ ہے۔

ایک بات یہ بھی توجہ طلب ہے کہ فسخ نکاح میں عدت ایک ماہ ہو گی۔ طلاق اور فسخ نکاح میں یہی فرق ہوتا ہے کہ طلاق کی عدت تین قروء ہوتی ہے جبکہ فسخ نکاح کی صرف ایک ماہ ہوتی ہے کیونکہ یہ فریقین کے باہم مشورہ و مرضی سے فسخ ہوتا ہے۔ (بدایۃ المجتہد ص۱۶)

سوال:۔ کسی مفقود الخبر شوہر کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

جواب:۔ ایسا شوہر جس کی زندگی یا موت کے متعلق یقین نہ ہو۔

"امام مالکؒ کے نزدیک جب اُس کے خاوند کا معاملہ حاکمِ وقت کے سامنے پیش ہو۔ اور وہ اس بات کی تصدیق کر دے کہ واقعی انکا خاوند مفقود الخبر ہے۔ تو وہ عورت اُسی دن سے چار سال تک انتظار کرے۔ اسکے بعد وہ ایک بیوہ کی عدت گزارے۔ یعنی چار ماہ دس دن پھر اُس کے بعد وہ آزاد ہے"۔

ہاں

امام مالکؒ کا یہ بھی قول ہے کہ جنگ کے دنوں میں میدانِ قرب و بعد کے لحاظ سے اس کی واپسی کا انتظار کرے گی۔ اور یہ مدت نہ زیادہ سے زیادہ ایک سال ہو گی۔ اسکے بعد وہ عدت گزار کر آزاد ہو جائے گی۔ (ہدایۃ المقتقید ص۱۱۵)

سوال:۔ نان و نفقہ کی اہمیت تحریر کریں:۔

جواب :۔ نان ونفقہ وہ ذمہ داری ہے جس کی بناء پر خدا تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فوقیت عطا فرمائی ہے ۔ایک مقدس عہد جو بذریعہ اعلان شوہر باندھتا ہے اور "قبول" ہے کہکر اقرار کرتا ہے نان ونفقہ کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔
اسلام میں اس کی اہمیت اس حد تک ہے کہ

"اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو نان ونفقہ نہ ادا کر سکے تو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بیوی کو اس وجہ سے فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا"۔

واضح رہے کہ حق مہر کی وصولی میں اسکی حیثیت ایک قرض خواہ کی ہوگی"۔ لے
(ہدایۃ المقتصد ص۱۱۲)

مقدار نان ونفقہ

جہاں تک نان ونفقہ کی مقدار کا تعلق ہے شریعت میں نفقہ کی مقدار کا کوئی تعین نہیں ہوا۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی مقدار مقرر ہے اور وہ یہ ہے :۔

"امیر آدمی پر ۲ مد۔ متوسط پر ۱½ مد اور غریب پر ۱ مد غلّہ روزانہ کے حساب سے مقرر ہے۔ واضح ہو کہ مد سے مراد ۱۳ سیر غلہ روزانہ ہے۔ (۱۳ کلّو کا مطلب فی زمانہ ۱۳ × ۴ = ۵۲ روپے سکّہ رائج الوقت روزانہ وقت تحریر)۔ (ھدایۃ المقتصد ص۱۱۸)

نفقہ کی صورت حال تو یہاں تک بیان ہے کہ جس کو اپنے گھر خادموں کو رکھنے کی طاقت ہو وہ بیوی کو خادموں کے اخراجات بھی دے گا۔ اور مطلقہ ان حقوق کی دوران عدت چارہ جوئی کر سکتی ہے۔

ہاں

نافرمان بیوی کے لئے نان ونفقہ کی ادائیگی واجب نہیں ہے۔ اور

نفقہ آزاد خاوند پر واجب ہے۔ غلام شوہر پر نفقہ واجب نہیں"۔
(ہدایۃ المقتصد ص۱۲۰)

نان ونفقہ کی طرح متعہ بھی ایک حسن واحسان کا سلوک ہے۔ جس کے ذریعہ شوہر طلاق کے بعد اپنے اخلاق کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ مگر بعض فقہاء کے نزدیک ضروری نہیں ہے کہ ہر مطلقہ عورت کو متعہ کا حق حاصل ہو۔ تاہم امام مالکؒ نے متعہ کو مستحسن قرار دیا ہے مگر ہر مطلقہ کے لئے واجب نہیں ہے یعنی جو اُس کے متحمل ہو سکیں اور اپنے پاس سے کچھ استحسان کے طور پر دے سکیں وہ ضرور دیں۔ باقی ایک مختلعہ کے لئے متعہ نہیں ہوا کرتا۔ کیونکہ وہ تو اپنے پاس سے کچھ رقم دے کر خلع حاصل کرتی ہے۔

ایک چھوٹا سا مگر اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی مریض شخص طلاق دے اور عدت کے اندر ہی وہ خاوند فوت ہو جائے تو اس کی وارث ہوگی یا نہیں؟
تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک طلاق دینے والا مریض شوہر اگر حالت عدت مطلقہ میں فوت ہو جائے تو اُس کی بیوی اُس کی وارث ہوگی۔ کیونکہ طلاق کے تمام مراحل طے ہونے سے پہلے ہی وہ شخص فوت ہو گیا ہے اور طلاق واقع نہیں ہوئی۔
دوسرے جب تک وہ دوسری جگہ شادی نہیں کرتی اس وقت تک وہ اُس کی وارث سمجھی جائے گی۔ اگر شادی کرلے تو وارث نہیں ہوگی۔

مگر

امام مالکؒ کا فتویٰ ہے اور ایک جماعت فقہاء نے بھی کہا ہے کہ:۔

"وہ عورت مطلقاً وارث ہوگی خواہ عدت میں فوت ہو یا بعد میں اور دوسری جگہ اُس نے شادی کی ہو یا نہ کی ہو۔ وہ اپنے خاوند کی وارث ہوگی"۔

(ھدایۃ المقتصد ص ۱۹۸)

سوال :۔ طلاق کا اختیار دینے سے کیا مراد ہے :۔

جواب :۔ چونکہ سوال بہت مستند جواب مانگتا ہے۔ کہ از خود اپنے ذہن کا جواب دیا نہیں جا سکتا۔ اس لئے لازم یہی آتا ہے کہ بزرگوں کا طریق و قول سامنے لایا جائے :۔

"بیوی کو طلاق کا اختیار دینے کا مطلب یہ ہے کہ خاوند نے بیوی کو اپنے اُوپر طلاق واقع کرنے کا مالک بنا دیا" یعنی بیوی خواہ اپنے خاوند کو اختیار کرے یا نہ کرے اُسے حق حاصل ہے کہ اپنا فیصلہ سُنا دے (اُس کے ساتھ رہنا پسند کرے یا اس سے تین طلاقوں کے ساتھ بائن ہو جائے) اس میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر بیوی اپنے اُوپر طلاق وارد نہ کرنا چاہے تو "خاوند کو یہ اختیار واپس لینے کا حق ہے۔ کیونکہ جس طرح مؤکل یا وکیل کرنے کا اختیار ہے اسی طرح وکیل سے وکالت کے اختیارات واپس لینے کا بھی اختیار ہے۔

یہاں طلاق کے اختیارات کی دو ۲ قسمیں بتائی گئی ہیں :۔

(۱) تملیک طلاق۔

(۲) توکیل طلاق۔

٭۔ تملیک طلاق کی صورت میں عورت کو صرف ایک طلاق کا اختیار ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ کا نہیں۔ یعنی عورت کو اپنے اُوپر طلاق وارد کرنے یا خاوند کے عقد میں رہنے کا فیصلہ کرنے کا اختیار اس وقت

تک باقی رہتا ہے جب تک کہ دونوں اس مجلس میں بیٹھے ہوں جس میں بیوی کو اختیار دیا گیا ہے۔ جب وہ مجلس ختم ہو جائے تو اس کا اختیار بھی ختم ہو جاتا ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ۔

(ھدایۃ المقتصد ص ۱۶۹)

٭۔ توکیل طلاق سے یہ مراد ہے کہ اس صورت میں خاوند کو یہ اختیار ہے کہ جب تک وہ اپنے اُوپر طلاق وارد نہ کرے۔ اُس وقت تک اُس کے خاوند کو یہ اختیار واپس لینے کا حق ہے۔

(ھدایۃ المقتصد ص ۱۶۹)

امام مالکؒ کے نزدیک جب خاوند بیوی کو یہ کہتا ہے کہ چاہو تو تم مجھے اختیار کر لو اور چاہو تو اپنے اُوپر طلاق وارد کر لو تو شرعی عُرف کے لحاظ سے اُس نے اُس کو بائن طلاق کا اختیار دے دیا۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی بیویوں کو علیحدگی کا اختیار دیا تھا تو اُس کا مطلب یہی تھا کہ وہ چاہیں تو آپ سے بائن ہو جائیں اور چاہیں تو آپ کو اختیار کر لیں"۔

(ھدایۃ المقتصد ص ۱۷۰)

ایک نکتہ مزید معلومات میں اضافہ کرے گا۔ کہ اگر ایسی صورت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں طلاق کو اختیار کر لیتیں تو محض اس اختیار کر لینے سے ان پر طلاق واقع نہ ہوتی بلکہ اس صورت میں خود رسول اللہ ان کو طلاق دے دیتے۔ لہٰذا اس سے یہ معلوم ہوا کہ محض اختیار طلاق سے عورت کو اپنے اُوپر طلاق وارد کرنے کا حق حاصل نہیں ہو جاتا۔ بلکہ یہ حق اُن کے خاوند کے پاس ہی رہتا ہے"۔

(ھدایۃ المقتصد ص ۱۷۱)

سوال :- خلع کے اثرات عورت پر کیا ہوتے ہیں ؟

جواب :- خلع کے اصطلاحی معنے یہ ہیں۔ کہ عورت اپنی طلاق کے عوض تمام وہ مال اپنے خاوند کو واپس کر دے جو اُس سے وصول کر چکی ہے۔ چونکہ یہ حق خلع عورت کو دیا گیا ہے۔ جبکہ حقِ طلاق مرد کو دیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ مرد خود بخود طلاق دینے کا مجاز ہے۔ لیکن عورت حاکم وقت یا قاضی کی وساطت سے یا اپنے میاں کے ساتھ باہمی رضامندی سے خلع حاصل کر سکتی ہے لیکن اس آزادی کی قیمت عورت کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً اگر اُس نے حق مہر وصول کر لیا ہے۔ تو خاوند کے مطالبہ پر وہ رقم اُسے واپس کرنا ہوگا۔ یا اگر اُس نے وصول نہیں کیا تو اُسے اس کا مطالبہ چھوڑنا پڑے گا۔

البتہ خلع اور صلح میں یہ فرق ہے کہ خلع میں تمام مال واپس کیا جاتا ہے جبکہ صلح میں بعض حصّہ مال کی واپسی ہوتی ہے اور بعض حصّۂ مال سمجھوتہ سے معاف کر دیا جاتا ہے۔

ایک بات واضح ہے کہ خلع کے جواز کیلئے کسی معین وجہ کا پایا جانا ضروری نہیں ہے بلکہ اسکی بنیادی وجہ عورت کی اپنے خاوند سے نفرت ہے۔ یہ نفرت بوجہ (۱) خاوند کے ظلم۔ (۲) اسکی ناحق مار پٹائی (۳) بیماری یا (۴) نان و نفقہ کا انتظام نہ کرنا (۵) اُس پر ناحق الزامات لگانا۔ اِن تمام صورتوں میں عورت خلع کی درخواست دے سکتی ہے۔

البتہ شدید مریض عورت بدل خلع میں صرف اسقدر معاوضہ دے سکتی ہے جسقدر اُسکے خاوند کو اُس کے مرنے کے بعد اسکی میراث سے ملنے والا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں دے سکتی۔ واضح ہو کہ مریضہ ۱/۳ حصّہ خاوند کے مال کا ادا کر کے خلع حاصل کر سکتی ہے ''۔

پس خُدا تعالیٰ کی رحمت کے بازو عورت پر ہر لحاظ سے ممتد ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

اِک ....؟

قارئین کرام! یہ درست ہے کہ طلاق ابغض الحلال ہے۔ اور اپریشن کا کام کرتی ہے۔ کبھی کبھی مرہم کا رول بھی ادا کر دیتی ہے۔ چونکہ بسا اوقات زندگی بچانے کے لئے اپریشن کی ضرورت لازمی ہوتی ہے۔ اغلباً اسی لئے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ کیونکہ جب مَیں نے حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا اختیارِ طلاق کا واقعہ پڑھا تو مجھے اس کی ضرورت اور اجازت پہ اطمینان ہُوا۔ کیونکہ مجھے کوئی وجہ نظر آئی کہ آپ کے ہاتھوں سے ایک انسانی جان یعنی آپ کے بچوں کی ماں اذیت میں مبتلا ہوتی ہے جبکہ آپ معمولی سے جانور بہ چیونٹی کو بھی مارنے سے گریزاں تھے۔ اور ہمیشہ منع فرماتے تھے۔ پھر کیونکہ ممکن ہے کہ ایک منیب القلب شوہر اپنی بیوی کو اذیت دے۔ بے شک یہ ذہنی اذیت ہے مگر بامر مجبوری قید کا ازالہ بھی ہے۔ خواہ میاں آزار میں ہو یا بیوی دکھوں کی قید میں۔ تکلیف دونوں کے لئے یکساں ہُوا کرتی ہے۔ پس اختلاف رائے اور طنز یہ طرزِ رہائش ایک ناسور ہے جو جلد یا بدیر ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ لہٰذا اس اپریشن کی بناء پر دو زندگیاں اپنے اپنے لائحہ عمل کے مطابق شب و روز بسر کر سکتی ہیں۔ مگر

سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ عورتوں کے لئے زیادہ تکلیف دِہ امر کیوں ہے ؟ کیا اس لئے کہ :-

۱ ۔ ہمارے معاشرہ میں عورت کو طلاق کے بعد رحم کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ؟
۲ ۔ لوگ اس پر ترس کھاتے ہیں ؟
۳ ۔ باہم چہ میگوئیاں کرتے ہیں ؟
۴ ۔ سوسائٹی میں اس کو وہ مقام حاصل نہیں رہتا جو طلاق سے پہلے تھا ؟
۵ ۔ عموماً نوجوان اُس سے شادی نہیں کرتے ؟ (قطع نظر ان کی قابلیت و اخلاق کے)
۶ ۔ بیوہ یا مطلقہ کو دوسرے نمبر کی اہمیّت حاصل ہے ؟
۷ ۔ کیا اس لئے کہ اُس نے طلاق کے بعد اپنا مقام گھر کے سامان کا سا تجویز کر لیا ہے ؟
۸ ۔ شاید اس کا سبب کچھ تلخ یادیں ہوتی ہیں ؟
۹ ۔ شاید معاشرے کا غلط اظہار ہمدردی ۔ مردوں کی سوچ ہے ؟
۱۰ ۔ شاید ہندوؤں کی رسم ستی کا دھندلا سا عکس حاوی ہوتا ہے ؟

قارئین مجھے صرف یہ جواب مل جائے کہ ٹوٹا ہُوا شیرازہ اُس سے اعتماد کیوں چھین لیتا ہے اور اُس کی اولاد کو بے اعتمادی اور بے یقینی کی دنیا میں کیوں دھکیل دیتا ہے ؟

یہ ایک سوال ہے جس کی شاخیں چند اطراف میں پھیلی ہوئی ہیں ۔ اور مَیں مشکور ہوں گی اگر میرے پڑھنے والے کسی ایک شاخ کا ہی جواب دے کر مجھے شکریّہ کا موقع دیں ۔ جَزَاکَ اللہُ ۔

قدرتِ ثانیہ کے مظہر الثانی کی ایک محبوب نصیحت پر اس اپنے دل کے ابال کو ختم کرتی ہوں ۔

آپ فرماتے ہیں :۔ ؎

"عزیزو دل رہیں آباد بس اُس کی محبّت سے
بنو زاہد کرو الفت نہ ہرگز مال و دولت سے

خُدا سے بڑھ کر تم کو چاہنے والا نہیں کوئی
کسی کا پیار بڑھ سکتا نہیں ہے اسکی چاہت سے"

(حضرت فضل عمر)

جواب کے لئے منتظر !

حفیظۃ الرحمٰن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اقوالِ زرّیں

- تعداد ازدواج بطور دوا کے ہے نہ بطور غذا کے۔
- دین چاہتا ہے کہ کوئی زخم دل پر ایسا رہے کہ جس سے ہر وقت خدا یاد رہے۔
- قبولیتِ دعا کے لئے ضروری ہے کہ نافرمانی سے باز رہے اور دُعا بڑے زور سے کرے کیونکہ پتھر پر پتھر بڑے زور سے پڑتا ہے تب آگ پیدا ہوتی ہے۔
- اگر کوئی شخص سارے سامان خوشی کے رکھتا ہے تو خوشی کا مقام نہیں۔
- جلدی اور عجلت سے کسی کو ترک کر دینا ہمارا طریق نہیں ہے۔
- ریاء کی مثال ایک چوہے کی ہے جو اندر ہی اندر اعمال کو کھاتا رہتا ہے۔
- خدا یابی اور خداشناسی کے لئے ضروری ہے کہ انسان دعاؤں میں لگا رہے۔
- شیریں زندگی اصل میں ایک شیطان ہے جو کہ انسان کو دھوکہ دیتی ہے۔
- پہلے اپنے گھر اور نفس کی صفائی کرو بعد میں لوگوں کی طرف توجہ کرنا۔
- تدبیر + دُعا + صحبت صادقین ایمان کو شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔

(ملفوظات)